اُردو زبان میں سیرتِ سرورِ عالم ﷺ کی سب سے جامع ترین کتاب

# سیرۃ النبی ﷺ


علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ


## جلد دوم


ادارہ اسلامیات

ادارہ اسلامیات

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

ملنے کے پتے

# فہرست مضامین

## سیرۃ النبی ﷺ (حصہ سوم)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین﴾

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل و انجام کا سامان بہم پہنچایا اور ایک گنہگار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لئے آب رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے، دوسری جلد (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی چار برس کے بعد یہ ۸۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے، اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب، واقعات کی تفتیش و تلاش اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کاوش اور جو دیدہ ریزی کی گئی ہے اس کا جزا و صلہ یہی ہے کہ صواب کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو ﴿والحمد للہ وحدہ﴾

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا، مشکلات اور غوامض میں خصوصاً مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفیق کار مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر مولانا عبد الباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں، معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور بحثیں ترجمان ہیں ان سے بھی تعرض کیا جائے چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفہ جدیدہ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے، جو اس کتاب کے ص ۱۹۰ سے شروع ہو کر ص ۲۰۱ پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی، ابو یعلیٰ، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ نظر آئیں گے، ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے مفسرین، شارحین حدیث اور مصنفین سیرت مثلاً ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے۔ معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں اس نوع کے معجزات کی دوسری تائیدیں بھی گو اس رتبہ کی نہیں مگر موجود ہیں

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں جن کی آخر میں غلط نامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی، لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے، احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

سید سلیمان ندوی

۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## دیباچہ طبع سوم

سیرت النبی ﷺ کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت ﷺ کے منصب نبوت، حقیقت نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آ رہی ہے اس اثناء میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں جن سے پوری کتاب پر نظر ثانی کی گئی روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا اگر اختلاف نظر آیا تو صحیح کی گئی کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس کے شبہ کو دور کیا گیا خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی ہونے، بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا۔

معجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تحقیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافے سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے ہیں کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے۔

ایک ظلوم وجہول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں اہل نظر سے التماس ہے کہ اگر اب بھی کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

حسن خاتمہ کا طالب

**سید سلیمان ندوی**

۷ شوال ۱۳۶۴ھ ۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۵ء ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دلائل و معجزات

﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ (مائدہ)

اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آ چکے

## روحانی نوامیس کا وجود:

سیرت نبوی کا یہ حصہ آنحضرت ﷺ کے ان حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کی حدود سے باہر ہے۔ جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے، ظلمات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے، ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے، گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں، ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں، اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے، اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے، وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے، خزاں اور بہار ہے، فصل و موسم ہے۔

آسمانہا ست در ولایت جاں　　　　کار فرمائے آسمان جہاں

## نبوت کے فطری و روحانی آثار:

جب روئے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے، اور آفتاب ہدایت نمودار ہوتا ہے، باغ عالم میں جب برائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے تو موسم بدلتا ہے اور بہار نبوت[1] رونق افزا ہوتی ہے۔

اور جس طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں، جن میں کبھی تغیر نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں، جن میں تغیر نہیں پاتا، انبیاء و رسل اپنے اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں، منکرین ہلاک اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں، اس روحانی جہاد میں انبیاء و رسل سے ہمارے علم و دانش سے بالاتر اعمال صادر ہوتے ہیں، اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

[1] خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور پاک سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ حضور کی آمد کے بعد جانشینان نبوت محمدی یعنی مجددین امت اس فرض کو انجام دیتے ہیں۔ یہ مجددین طریقہ رسول ﷺ کے تبع کامل ہوتے ہیں اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ معجزہ لازم نہیں، ایک سے زیادہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددین ملت ہوں۔ ان کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق و طریق دعوت میں رسول اکرم ﷺ کا جامع کامل بجا لانا ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے عوام اور مجموعہ اعمال کو جو باہر سے آ کر دین میں شامل ہو گئے ہیں دور کریں اور اسوۂ دین میں جو امور سست ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ جاری کریں۔

### انبیاء کے کامل پیرو ان سے معجزہ نہیں مانگتے تھے:

لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین وصالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا تھا، حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر ایمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا، حضرت خدیجہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ آپ ﷺ غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرض داروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔[1] حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ ﷺ کی صداقت اور سچائی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لئے آپ ﷺ کا سراپا وجود مقدس، دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا، انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

### معاندین معجزوں کے بعد ایمان نہیں لائے:

مگر نمرود و فرعون و ابوجہل اور ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، شق قمر اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے، لیکن ایسے ہی معاندین کا ایک دوسرا طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی تہہ بہ تہہ چھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی شعاعیں ان آنکھوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ طٰہٰ۔۳ پکار اٹھتے ہیں۔

### معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے؟

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰ کے معجزہ کو دیکھا تو موسیٰ و ہارون کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے، آنحضرت ﷺ کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا چہرہ ان کے سامنے جلوہ نما ہوگیا۔ یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ وہ ہے جس کا تعلق داعی حق کے لئے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے ہجوم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دی جاتی ہے اور رسوخ ایمانی اور ثبات قدم مرحمت ہوتا ہے، ان کی بے سروسامانیوں اور بے نواؤں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمان کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

### ان واقعات کا اصطلاحی نام:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے جو یہ خارق العادت کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں ان کے لئے عام طور پر معجزہ کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے۔ اول تو اس لئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں، قدیم محدثین نے ان کی جگہ دلائل اور علامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جو الفاظ

۱ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
۲ جامع ترمذی تفسیر سورۂ روم۔

قرآنی کے ہم معنی ہیں، دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بنا پر معجزہ کے ساتھ بعض لوازم ذہنی پیدا ہو گئے ہیں جو حقیقت میں شامل نہیں ہیں، مثلاً اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا صدور خاص اس کے ارادہ و اختیار سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص و کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارق عادت وغیرہ خارق عادت سب داخل ہیں، لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں آئندہ جہاں از روئے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی وہاں اس کے متعلق مزید تفصیل کی جائے گی جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے، ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ یوں ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں تا کہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقے سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لئے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

## دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیاء کی سیرتوں سے:

قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمات الٰہی، رویت ملائکہ، بشارات صادقہ، استجابت دعا، طوفان نوح، آتش خلیل، عصائے موسیٰ، نفس عیسیٰ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور ان کے ساتھ ان کے عواقب و نتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کا خاص تعلق رہا ہے اور اسی وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لاینفک ہو گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاق ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسن اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے تا کہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے نہ الجھنے پائے، اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ ان کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی میں ان دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے اور ان کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلہ علل و اسباب سے مربوط کر دیا ہے۔

## دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدی سے:

آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا مظہر اور ان کے حالات و مشاہدات کا جزو تام ہے، آپ ﷺ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ ﷺ نے

ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفان نوح ؑ بہا لے گیا تھا، جن کو دریائے قلزم کی موجیں نگل چکی تھیں جن کو حضرت عیسیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف جانب حق کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا اس بنا پر جس چشمۂ فیض نے اسباب موسیٰ کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامان معانیت سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا چنانچہ اسی لئے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو اپنی قدر و مراتب ہر طبقہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے آپ کی شریعت معجزہ تھی آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا ان کے علاوہ آپ ﷺ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ ﷺ کے لئے بستر لگایا کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں برق کی سواری گزری کی، کبھی ﴿ما کذب الفؤاد﴾ کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا اور کبھی ﴿ما زاغ البصر﴾ کے سرمہ سے آپ ﷺ کی آنکھوں کو روشن کیا کبھی نزول رحمت الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے کبھی وادی حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے نکالے کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبان الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے اور آئندہ دنیا کے واقعات غیب بتا کر رہروان عالم کو منزل حقیقت کے نشان دکھائے۔

آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی کا سب سے بڑا جز و غزوات و محاربات ہیں ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں بہ تصریح گزر چکا ہے لیکن جہاد کے میدان میں آپ ﷺ کو جو فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و تبر سے زیادہ فرشتوں کے پرے دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر، امداد الٰہی کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور وہ سحر آلود نگاہ نے، جادو اثر تقریر و لہجہ نے، اخلاق اعجاز نما نے، آیات و دلائل ہی کر بہت سے لوگوں کو مشرف با اسلام کیا ہے۔ غرض آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر منظر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

## دلائل و معجزات اور عقلیت:

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سنتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقل خود ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرکہ آرائیاں ہوتی چلی آتی ہیں لیکن فلسفہ قدیم ہو یا جدید، فلسفہ یونان ہو یا فلسفۂ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا ان سب کا ماحصل بجز یہ نکلا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں تو دوسرے ان کو محال عقلی تصور کرتے ہیں، عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا، قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں، وہ خود اپنے تئیں بخشدول اور بدگمان قلب کی تسلی، طمانیت اور رفع شک کے لئے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی راز جو طبیعت کی تشنگی کو تسکین دے سکیں۔ ان تمام

نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقلی دعووں سے ماورائی حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا محسوس و غیر محسوس یعنی مادی و روحانی دنیا دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہیں کہ ایک عالم کے قیاس، تمثیل و استقراء سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں اور جو سمجھ نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ جب ہماری عقل و فہم کی لنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماورائے محسوسات میں اس کی تگ و دو کہاں تک منزل مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

آنانکہ وصف حسن تو تقریر می کنند    خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

بہرحال اب تک انسان نے اس "خواب نادیدہ" کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ دین کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلہ بحث میں سب سے پہلے فلسفہ قدیمہ کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے بعد فلسفہ جدیدہ نے جو اس کی گرہ کشائی جہاں تک کر سکا ہے اس کی تفصیل ہے اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے اس کو بیان کیا جائے گا۔

# دلائل و معجزات اور فلسفہ قدیمہ و علم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی، دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہو سکتے تھے اور نہ پیدا ہوئے لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو وہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزاء بن گئے اور ان کو اس درجہ اہمیت ہو گئی کہ اب ان سے تعرض کئے بغیر گویا موضوع زیر بحث کے لئے تشنہ رہ جاتا ہے

اہل یونان کی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے اس لئے وہ نبوت، ختم نبوت، وحی، الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن رشد نے تہافۃ التہافۃ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جابجا لکھا ہے مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی تمام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کئے چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم[1] میں نبوت اور خواص نبوت کے متعلق بہ ترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

**فقرہ ۲۸:**

صاحب نبوت کی روح میں ایک قوت قدسیہ ہوتی ہے، جس طرح تمہاری روح عالم اصغر میں (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم تمہاری روح کا تابع و فرمانبردار رہتا ہے اسی طرح وہ روح قدسی عالم کبیر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے اور تمام عالم جسمانی اس کا تابع و فرمانبردار رہتا ہے وہ اسی بنا پر اس سے خارق عادت معجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا آئینہ باطن صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے اس لئے لوح محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے اور وہ قوت قدسیہ یا روح قدسیہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔

**فقرہ ۲۹:**

ملائکہ ان صورتہائے علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں۔ اس طرح نہیں جس طرح نقوش ذہن میں معلومات ہوتے ہیں بلکہ خود مستقل قائم بالذات ہیں اور اس امر الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روح بشری تو حواس ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امر الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روح نبوی بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے۔

**فقرہ ۳۰:**

عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواس باطنی کو اور ان کے حواس باطنی کی مشغولیت ان کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے بلکہ ان کی تاثیر کا عمل ان کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں بلکہ روح ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تحصیل کرتے ہیں۔

---

1 فصوص الحکم، یہ رسالہ حیدرآباد میں چھپ گیا ہے [illegible] ہے۔

فقرہ ۱۳:

عام لوگوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ صرف یہ کہ حواس ظاہری کی مصروفیت حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت حواس ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے بلکہ خود ان کی ایک حس کی مشغولیت دوسری حس کو بے کار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں، دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہو سکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے، اور جب ذکر کرتے ہیں تو فکر سے غافل ہو جاتے ہیں لیکن ارواح قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور ان کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو اس مسئلہ کی بنیاد ہیں اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں، اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوۃ کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے انہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا رومی کے ساز "نے" سے بھی یہی آواز نکلتی ہے۔

فلسفہ و عقل کی راہ سے جو عقلا اس عالم حقیقت کے جویاں ہیں ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں۔

۱۔ اول یہ کہ اس کو امور غیب پر اطلاع ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اس سے خوارق عادات ظاہر ہوں۔

ان تینوں دعووں کے امکان پر ان کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں۔

اطلاع غیب:

یہ عالم کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظام فطرت پر قائم ہے جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے، پہلے جمادات ہیں جن میں نہ حرکت ہے نہ نشوونما ہے نہ ارادہ و نطق ہے نہ ادراک کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت و نمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت جسم کے ساتھ ارادہ اور احساس بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراک کلیات کی قوت بھی ہے، کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کا پست ترین طبقہ اپنے پچھلے سے بلند تر اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں ابھی نطق ادراک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے، انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ دیہاتی اور گنوار ہیں، ان سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علماء اور عقلائے روزگار ہیں جو نظر و فکر اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں لیکن نوع انسانی کی بلند ترین صنف وہ ہے جس کی عقل و ہوش کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں، جن کی روح قدسی اپنے تمام معلومات کو

تجربہ و مشاہدہ سے نہیں بلکہ براہ راست عالم ملکوت سے حاصل کرتی ہے جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے اور وہ وہ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے یہ قوت کمالیہ اور یہ روح قدسیہ جس صنف انسانی میں ہوتی ہے وہی انبیاء ہیں۔

رویت ملائکہ:

انسان کے علم و احساس کا منبع روح ہے اور اس کے آلات و ذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں۔ اگر اس سطح زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرا ہو تو وہ نہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے لیکن جیسے جیسے علم و احساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آتی جاتی ہے اس کے علم و احساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک خاص نقطہ پر آ کر وہ سب جاتے ہیں اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ روح انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے اسی قدر اس کے علم و احساس کے قویٰ میں ترقی ہو گی اور جس قدر اس عالم مادی سے اس کا افتراق ہو گا اسی قدر عالم ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا۔ اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر صفاء اور روحانیت عطا ہوئی ہو کہ وہ عالم بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس و مشاہد ہو سکتا ہے۔ وہ غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، ان سے باتیں کر سکتی ہے اور ان کے ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے۔

خوارق عادات:

دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب و علل کے نتائج ہیں اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔ نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔ دہشت یا دہل اور پرچھ سننے والے کو اکثر پیش آتا ہے کہ جب اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہ کبھی خوف سے بے ہوش ہو جاتا ہے بیمار پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے شرمندگی اور خجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے یہ کمزور نفوس کا حال ہے۔ اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نفوس قدسیہ وارباب قوت کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں۔ ۱؎

اکثر متکلمین اسلام نے وحی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور ہیں بھی وہ در حقیقت ایک ہی امر غیب کی اطلاع ملائکہ اور روحانیات کا مشاہدہ رویت اور ان سے تخاطب یہ تو ہر وحی و مشاہدہ روحانیت کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں اور تیسری چیز کا نام ان کی زبان میں معجزہ ہے۔ یہاں دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

۱؎ ابن سینا نے اشارات کی تحصیل [illegible] میں [illegible] امام رازی نے مباحث مشرقیہ میں [illegible] [illegible] میں بھی [illegible] کی ہے۔

ہو گیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اس کے نفس میں اس مسئلہ خاص اور اس ایجاد خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہوگئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہود ہوگئی جو دوسروں کے لئے تمام تر مستور تھی۔ یہی الہام ہے۔ اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے۔ جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہے۔ جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے وہ آلات ساز اور انجینئر ہے اور جس نفس قدسی میں اسرار الٰہیہ' نوامیس ملکوتیہ' حقائق دینی' اعمال صالحہ' قوانین عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں۔

## ۴۔ انقطاع حواس عن المادیات:

انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلاواسطہ اس کے حواس خمسہ یعنی سامعہ' باصرہ' شامہ' ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بہ ترتیب سننا' دیکھنا' سونگھنا' چکھنا اور ٹٹولنا ہیں اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام حس مشترک' خیال' واہمہ' حافظہ اور متخیلہ ہیں۔ ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں۔ حس مشترک تو آلات حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے' انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ سیدھا حس مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں محفوظ رہتا ہے۔ واہمہ وہ قوت ہے جو اپنے اس گذشتہ محفوظ خزانہ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے مثلاً دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی۔ پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے۔ اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے کہہ دیا کہ یہ شہد ہے اور یہ میٹھا ہوتا ہے' یہ واہمہ کا کام ہے' حافظہ میں قوت واہمہ کے محفوظات جمع رہتے ہیں اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے اس قوت دماغی کو کہتے ہیں جو مدرکات خیال کی ترکیب و تحلیل کرتی رہتی ہے اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں (سینما مصور متحرک) کے تماشے کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے' کبھی دو سر کا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے' کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے' کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالم قدس میں جانے کے لئے پر تولتی ہے۔ ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرا دیتی ہے' آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامہ فکر و خیال برپا ہو جاتا ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری قوت متخیلہ صرف آرام و سکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حس مشترک ہمیشہ خارج سے آلات حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل و وصول میں مصروف رہتا ہے' اس لئے جب تک بیماری' نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے آلات حواس میں تعطل نہیں ہوتا' ہمارے قوائے دماغی میں آرام و سکون نہیں پیدا ہو سکتا' خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں اس وقت ہمارے پر اسرار قوائے ذہنی عالم بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں اور وہاں کے مشاہدات و مسموعات حس مشترک میں آ کر ہماری قوت متخیلہ کو حرکت دیتے ہیں اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالت بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات کو معطل کر کے عالم بالا سے اپنا سلسلہ تعلق قائم کر سکے تو اس کو سب کچھ اسی عالم بیداری میں نظر آ سکتا ہے۔

## قوت نبوت:

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں، بعض مشاہدات میں یہ حقائق واضح ہوتے ہیں، بعض حیوانات ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوت حس بے انتہا ہے، دیگر حیوانات عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ذہنی عجیب و غریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح غذا کر کے لے جاتے اور کہیں دور کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے چھتے کا راستہ پالیتی ہیں۔ تحریر میں انگریزی اکثر اہل فن بھی کسی نہ کسی قوت کو تسلیم کرتے ہیں خواہ اس کا نام وجدان یا معرفت قلبی رکھیں یا نہ رکھیں، اسی طرح ممکن ہے کہ انبیاء میں احساس و ادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصناف انسانی محروم ہیں، وہ اپنی اس قوت قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس و ادراک کر لیتے ہیں جن کو عام افراد انسانی نہیں کر سکتے۔ مولانا روم نے مثنوی میں اسی خیال کو جا بجا ظاہر کیا ہے۔

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس　　　آں چو زر سرخ و ایں حسہا چو مس

ان پانچ جسمانی حواس کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں وہ سونا ہیں اور یہ تانبا ہیں۔

حس ابدان قوت ظلمت خورد　　　حس جان از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں اور روحانی حواس آفتاب سے۔

ہر کرا حس خدا بینے بود　　　دم بدم دانست بجز حق دیدہ

جس نے اس خدائی حواس کی کوئی نشانی دیکھی ہے وہ خدا کے سامنے زیر و زبر ہے۔

گر بدیدے حس حیواں شاہ را　　　پس بدیدے گاو و خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کو بھی پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے

گر نبودے حس دیگر مر ترا　　　جز حس حیواں ز بیروں ہوا

اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو دوسرے قوائے حسی نہ ملتے تو

پس بنی آدم مکرم کے بدے　　　کے بحس مشترک محرم شدے

تو بنی آدم کو درجہ تکریم عطا نہ ہوتا اور صرف حس مشترک کی بنا پر محرم راز نہ ہوسکتا۔

فلسفی گوید ز معقولات دوں　　　عقل از دہلیز می ماند بروں

فلسفی تو معقولات کی باتیں کرتا ہے جو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔

فلسفی منکر شود در فکر و ظن　　　گو برو سر را بریں دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی ظن و گمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہے اس کو کہنا چاہئے کہ وہ اپنا سر اس دیوار پر دے مارے

نطق آب و نطق خاک و نطق گل　　　ہست محسوس حواس اہل دل

پانی، مٹی اور گل ان سب کا نطق اہل دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ است  از حواس انبیاء بے گانہ است

فلسفی جو ستون نبوی ﷺ کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء کے حواس سے واقف نہیں

۴۔ حواس کی غیر محدودیت:

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعت احساس ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ سن نہیں سکتے' یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دے گی' بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سن نہ سکے' دوسرا انسان اس کو دیکھ اور سن لے۔ کور نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے' لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں' بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے بہت زیادہ تیز ہوتے ہیں' چیونٹی میں قوت شامہ' چیل اور کبوتر میں قوت باصرہ' سانپ میں قوت لامسہ' کتوں اور گھوڑوں میں قوت سامعہ معمولی سطح حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے' خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں' ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے' دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے' دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کر لیتا ہے' لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کر سکتے' لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ بھی اسی طرح دیکھ سکتے' سن سکتے' اور سونگھ سکتے ہیں۔

مقدمہ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے اگر اس کی قوت بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے اور پھر جس قدر اس کے حواس میں ترقی ہوتی جائیگی اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی' ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے۔ ہم اس کو پیا چاہتے ہیں' اس میں گرد و غبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا' لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی' خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب' ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں' یہاں تک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے اور جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو بڑی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار نویں درجہ کے ایک لاکھ میں ہزار ہم کو اس فضائے آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہرشل کی دوربین سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دے گی ہے۔

یہی حال سماعت کا ہے پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل دور جا سکتی ہوگی' ٹیلیفون کی پہلی ایجاد نے اس فاصلہ کو بڑھایا اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے' چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہوگئی کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں' لکھنؤ سے الہ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز

پہنچ رہی ہے۔ ۱

ان مذکورہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواس کے فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر کے دائرے کی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ایک صاحب اشراق کے حواس اس قدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور وہ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا۔ آنحضرت ﷺ نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی۔ حضرت یعقوب کو کنعان کی وادی میں بیٹھ کر مصر سے حضرت یوسف کے پیرہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے۔ مولانا روم اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کر دیتی ہے

پنج حس با یکدگر پیوستہ اند　　زانکہ این ہر پنج ز اصلی رستہ اند

حواس خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکلا کرتے ہیں۔

قوت یک قوت باقی شود　　ما بقی را ہر یکے ساقی شود

ایک حس کی قوت بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے۔

دیدن دیدہ فزاید عشق را　　عشق اندر دل فزاید صدق را

دیدار چشم عشق کو ترقی دیتا ہے اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

صدق بیداری ہر حس می شود　　حس ہا را ذوق مونس می شود

سچائی ہر حس کی بیداری کا سبب ہو جاتی ہے اور احساس کو ذوق وجدان سے مدد ملتی ہے۔

### ۵۔ عالم مثال:

علمائے اسلام میں جن کے سینے علم و حکمت کے ساتھ نور معرفت سے بھی منور ہیں انہوں نے نظر و استدلال سے نہیں بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور سمت اختیار کیا ہے۔ علماء میں دو گروہ ہیں ایک واحدیہ اور دوسرا ثنویہ۔ واحدیہ وہ ہیں جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک موجودہ عالم صرف ایک ہی ہے جس کی دو جماعتیں ہیں ایک وہ جو موجودہ عالم صرف مادہ کو مانتی ہے اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوت ذہنیہ تک اس کے نزدیک تمام مادہ کی کیفیتیں ہیں ان کو مادئین اور مسلمین کہتے ہیں۔ دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے وہ صرف نفس اور روح کو تسلیم کرتی ہے اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ وقعت نہیں دیتی اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس اور روح کے مظاہر ہیں ان کو روحانیین کہتے ہیں۔

### ثنویہ:

وہ موجودہ عالم تسلیم کرتے ہیں یعنی مادہ اور روح اور عالم کو ان دونوں [illegible] کا تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر کی سطروں میں جن ارباب معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں۔ ایک تو یہ عالم اجسام یا عالم شہادت

---

۱ دیباچہ مجموعہ نظامت سے ماخوذ ۔۔۔ تقریر سائنس ترقی نے کہاں تک ترقی کی ہے (ماخوذ)

کچھ اور ہے لیکن ہر شخص صرف اس امتحان پر بس کرتا ہے یعنی اس کو اس حق میں شمار نہیں کرتا۔ امام غزالی نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان تمام واقعات کے ظاہری معنی بھی ہیں اور ان کے اندر دلی اسرار مخفی ہیں لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ اسرار فاش اور کھلے ہوئے ہیں تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار نہ کرنا چاہیے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔"

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی، معراج، رویت ملائکہ، ملاقات انبیاء، شق صدر، استسقاء وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم مثال کی ہے جس سے آگے چل کر ایک عالم رویا کا قائم کیا ہے اس میں دکھایا ہے کہ اس اصول کی صحت پر آیات و احادیث سے استناد ہو سکتا ہے۔

ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و براہین کا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان میں سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کو تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا ازحد استبعاد نظر آتا ہے وہ کسی طرح دور ہو جائے اس لئے ہر گروہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریق فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے جس پر قیاس کر کے وہ باتیں جو تجربہ و مشاہدہ سے بالاتر ہیں ان کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہن انسانی میں قائم ہو جائے کہ وہ ان کے انکار و استبعاد کی جرات نہ کر سکے اور قلب بدگمانی اور شک تار سا کسی قدر تسلی پا سکے ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر، جسمانی قوائے فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

ع کہ کس نگشود و نگشاید بحکمت ایں معما را

میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہو۔ تم کہو گے کہ یہ اختلاف وجوہ مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا لیکن وہ استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے علت فاعلہ اور سبب مؤثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکی کی گردش اور رفتار ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی اس گردش ورفتار اور اختلاف اشکال کی نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ کسی قانون فطری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہوسکتا ہے تو اس اصول کے تسلیم کر لینے پر عجائب قدرت اور خوارق فطرت کی وہ کون سی مثال ہے جس کے محال ہونے کا دعویٰ وہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مؤثر کی بناء پر ہوتا ہے یا بلا سبب مؤثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرق عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا اگر یہ کہئے کہ یہ حوادث بلا سبب مؤثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرق عادت کو تسلیم کرلیا پھر دنیا میں کوئی عجیب سے عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی اور اگر یہ کہئے کہ یہ سبب مؤثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا یہ سبب مؤثر صاحب اختیار وارادہ ہے اور یہ تمام حوادث و تاثیرات اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث وتاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطراراً طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی آگ سے گرمی برف سے خنکی، پہلی صورت میں معجزات اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں کیونکہ اس مدبر ومؤثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہوگی کوئی اس کا مانع نہیں، دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ مؤثر عالم سے زمانہ قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں جیسے آفتاب سے روشنی۔ ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم وازلی سبب ومؤثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی اور مختلف شکل وصورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں؟ آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہئے۔ مادہ میں یہ استعداد وصلاحیت گردش فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جاچکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حد وپایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں اس بناء پر حوادث عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلاف فطرت اور خلاف عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص شکل فلکی کا نتیجہ ہو۔

گذشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کئے ہیں۔

## (۱) تاثیرات فلکیہ:

معجزات کے انکار کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لئے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل واسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردش نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت بڑا اثر ہے اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں مؤثر ہوتے ہیں ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب وغریب شے کی تعلیل ہم مادی وطبعی علل واسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی وسماوی ہوں۔

سے آئے گا۔ ایک بخیل کے نزدیک ایک جود و کرم کی راہ میں تمام عمر یار لٹا دینا ایک مافوق البشریت کا کارنامہ ہے۔ ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور مستغنی آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے۔ معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو دو لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوک زبان تھیں تو اس کو یقین نہیں آئے گا۔ تیمور یا نپولین کی قوت عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف الارادہ آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے۔ ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنا ارادہ، عزم و ضبط نفس کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں لاکھوں آدمیوں پر اس طرح اختیار حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ ان کے ہاتھ میں گویا بے جان ہو جاتے ہیں یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے اس لئے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسرے سے ممکن نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے ممکن نہیں۔ بہرحال ان دونوں میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بنا پر ان سے عجیب و غریب افعال و تصرفات صادر ہوتے ہیں جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی یا جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لئے وہ ان کو مستبعد اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک مبتدی کو ایک ذکی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور و ضعیف الارادہ کو کسی قوی الارادہ اور مستقل العزم پر تعجب آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے نادر الوجود ہیں اس لئے عموماً ان کے خصائص دیکھ کر یہ تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔

## (۳) قوت نفسیہ

جو انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے اشارہ و ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجا لاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ یہ تصرف ہر شخص ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی خاصیت ہے لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمان کر لیتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے جن کو خالق کا مظہر خصوصی ہے ان کے لئے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کر سکتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

## تاثیرات نفسانیہ

یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارے جسم پر بھی اثر ڈال دیتے ہیں۔ رات کو کوئی چیز دیکھی اور اس کا ہیبت ناک تصور کیا، ڈر گیا اور چیخ اٹھا یا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کسی درخت کی

تیسری بات ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے ارادہ کا اثبات کیا جائے اس کے بعد جب ثبوت خرق عادت یعنی معجزہ سب پر ثابت ہو جائے گا جب تک یہ چیزیں پایہ ثبوت کو نہ پہنچیں خرق عادت کا حکم نہیں ہو سکتا۔

## اسباب خفیہ کی توجیہ بے کار ہے:

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے مخفی اسباب بیان کرے وہ در حقیقت خرق عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں کہ حکماء اسلام مثلاً فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے اور اسی کے اندرونی طبعی اسباب ہوتے ہیں اس لئے خرق عادت لازم نہیں آتا اور معمولی نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈ سی) حائل تھا حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو تو فوراً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر پار اتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ مع اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا۔ وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مد و جزر تھا جب حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا تو مد شروع ہو گیا اور ڈوب گیا۔ ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰ ڈوب جاتے اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ کے لئے جزر اور فرعون کے لئے مد عمداً پیدا کیا گیا تھا یا یہ اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰ جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے۔ پہلی صورت میں تو معجزہ کی تعریف کی بھی تکذیب لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرق عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہو گا۔

## حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب:

اصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذات واجب الوجود علت اولیٰ یا عقل اول کی علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے کہ جس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب روشنی کی علت تامہ ہے۔ جب آفتاب نکلے گا روشنی کا ظہور ہو گا۔ خواہ وہ صبح کی وجہ سے بھی ہم کو نظر آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد و ارادہ سے نہیں ہے بلکہ مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہو رہی ہے۔ عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلہ علل و معلول سے خود بخود پیدا ہوتا گیا اور تمام عالم ایک اپنے نظام میں بندھ گیا ہے خالق اور اس کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا؟ اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے؟ یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے جن کا نام اصول ارتقاء اور انتخاب طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی آخری سرحد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ مادہ کی ابتدائی بنیاد چار عناصر کو قرار دیجئے یا جوہر فرد کو، یا سالمات کو، یا ایتھر کو، یا برقی پاروں کو، جن کو بھی چاہئے لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جا سکتی اور نہ بتا سکتے ہیں کہ یہ آخر وہ کہاں سے آئے؟

اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے انڈے سے، اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان، پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈا اور پہلی گٹھلی انسان، پرندہ اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی۔ غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخن حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلہ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

## حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے:

جہاں تک آپ اپنے سلسلہ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر یہ قائل ہونے سے چارہ نہیں۔ پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے، اس دور کے عقدہ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قدرت اور ارادہ کو تسلیم کیجئے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے۔ صدیوں میں جب اس نے ضرورت کی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لئے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی، علت و معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یک رنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یک رنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لئے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

## مولانا روم اور اسباب و علل اور معجزہ کی حقیقت:

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔

سنتے بنہاد و اسباب طرق　　طالبان را زیر ایں ازرق تتق

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنے والوں کے لئے علل و اسباب و عادات مقرر کر دیے ہیں

بیشتر احوال بر سنت رود　　گاہ قدرت خارق سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات انہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے

سنت و عادت نہادہ با مزہ　　باز کردہ خرق عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب و علل) کو اس نے خوش آئند بنایا ہے لیکن کبھی معجزہ سے خرق عادت بھی کرتا ہے

اے گرفتار سبب بیروں مپر　　لیک عزل آں مسبب ظن مبر

اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب و علل کے بنا دینے سے وہ علت مسبب الاسباب بیکار ہو جائے گا۔

ہر چہ خواہد آں مسبب آورد　　قدرت مطلق سببہا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے اور اس کی قدرت کلی (مطلق) اسباب کو توڑ دے

لیک اغلب بر سبب راند نفاذ　　تا بداند طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید　　پس سبب در راہ مے باید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے۔ یہی اسباب تو نشانات بن کر رہنما ہوتے ہیں

ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست　　کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی

دیدۂ باید سبب سوراخ کن　　تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اس کے لئے ایسی آنکھ چاہئے جو اسباب کا پردہ چاک کر دے تاکہ حجابات اٹھ جائیں

از مسبب می رسد ہر خیر و شر　　نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر خیر و شر اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے ورنہ اس میں درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

ہوا مٹی پانی اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد　　ہم بامر حق قدم بیروں نہد

جب پتھر کو لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔

آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن　　کایں دو می زایند ہمچوں مرد و زن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو کہ یہ دونوں مرد و زن ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک　　تو ببالاتر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا گو یہ دونوں آگ کا سبب ہیں لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کر

کایں سبب را آں سبب آورد پیش　　بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا یا ظاہری سبب خود بخود بے سبب کب پیدا ہوا ہے

آں سبب را آں سبب عامل کند　　باز گاہے بے بر و عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں موثر اور عامل بنا دیا ہے پھر جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے

واں سبب ہا کانبیا را رہبر است　　　آں سبب ہا زیں سبب ہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاء کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند و برتر ہیں

ایں سبب را محرم آمد عقل ما　　　واں سبب ہا راست محرم انبیاء

ان ظاہری علل و اسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں۔

چونکہ ظاہر بین انسان ان اسباب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے اور ظاہری علل و اسباب ان کے لئے بیکار کر دیئے جاتے ہیں۔

ہست بر اسباب اسباب دگر　　　در سبب منگر دراں افگن نظر

ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر غور کرو

انبیاء در قطع اسباب آمدند　　　معجزات خویش بر کیواں زدند

انبیاء قطع اسباب کے درپے ہیں اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے۔

بے سبب مر بحر را بشگافتند　　　بے زراعت چاش گندم یافتند

بغیر کسی سبب ظاہری کے انہوں نے سمندر کو شق کر دیا اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا

جملہ قرآں ہست در قطع سبب　　　عز درویش و ہلاک بولہب

تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے آنحضرت ﷺ کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی

مرغ بابیلے دو سہ سنگ افگند　　　لشکر زفت حبش را بشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں

پیل را سوراخ سوراخ افگند　　　سنگ مرغے کو بہ بالا پر زند

یہ کنکریاں جو اوپر سے آتی ہیں ہاتھیوں کے بدن میں چھید کر کے ڈال دیتی ہیں

ہمچنیں ز آغاز قرآں تا تمام　　　رفض اسباب است و علت والسلام

اسی طرح شروع سے آخر تک قرآن اسباب و علل کے موثر حقیقی ہونے کا منکر ہے

## علت و خاصیت اور اس کی حقیقت:

اس اجمال کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر مبنی ہے اشیاء میں جو خواص اور آثار ہیں ان کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے؟ محض تکرار احساس سے جس کا دوسرا نام تجربہ ہے۔

جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں اور پھر جب جب ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا۔ اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے غرض

گرمی کا مکرر احساس۔ یہ تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جاتا ہے تو قطعاً ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ برف کی خاصیت سردی اور گرمی ہے۔ برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں، دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس کے تکرار و احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ ایک میں گرمی اور دوسری میں ٹھنڈک کا ہونا ضروری ہے اور آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا دونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار رکھ دیتا ہے اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے سونگھئے چکھئے چھوئیے کسی طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے جب تک ان کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بنا پر ہم علل و معلول اور اسباب و مسببات کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور اسی کی بنا پر مدعیان عقل و دانش وہ مسلمہ کلیہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس سے پیغمبروں کے نام تجربی معجزات باطل اور پیغمبر آخرت پرست وہمی ٹھہرتے ہیں۔ وہ جب ایک شے سے ایک ہی فعل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا تخلف قطعاً محال ہے اور جب ایک شے کے بعد دوسری چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور بار بار دیکھتے ہیں اور کبھی اس میں تخلف نہیں پاتے تو یہ یقین قائم کر لیتے ہیں کہ دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے موت کا سبب سنکھیا ہے یعنی یوں کہئے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا، سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کو ختم کر دینا ہے۔ معجزہ کے امکان سے جو نقصان ان کے خیال کے مطابق آتا ہے وہ خواص کا تخلف یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہو اور جلانے کی مستعد ہو اور خارق نہ کرے اسی لئے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

اسباب و علل محض وہمی ہیں۔

یقین کی یہ صورت ہو چکی کہ ہم جن کو علل و معلول یا سبب و مسبب کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ ایک شے کو دوسری شے کے بعد دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع بار بار ہونے سے وہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کے مشاہدہ میں بھی یہی نتیجہ نکلا ہے اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا آج تک آگ کے متعلق اور جن چیزوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں لیکن ہمیشہ ازل کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے وہ نہ آ سکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتقاد کس مقدمہ یقینی پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین و اعتقاد کے لئے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر قائل ہو سکتے

یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ زہر کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

## اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے:

غرض خواص و آثار اور اسباب و علل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکساں فعل اور تجربہ کا نتیجہ ہے ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں اس لئے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغاز عمر سے دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے فلاں وقت جاگتا ہے مسجد میں فلاں دروازہ سے اندر داخل ہوتا ہے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے۔ سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب یہ خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لئے وہ اٹھا ہوگا اتنے بج کر اتنے منٹ ہوئے ہیں اس لئے وہ سو گیا ہوگا آج جب وہ نماز کے لئے جائے گا تو فلاں دروازہ سے اندر داخل ہوگا۔ اسی کا نام عادت ہے مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں مبتلا ہوگا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سو رہنا کمال قطعی ہے اس وقت اس کا جاگنا لامحالہ ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے۔

## اسباب و علل کا علم بدلتا رہتا ہے:

اسی طریق پر اشیاء اور موجودات عالم سے عادۃً مختلف آثار و نتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے جس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار و نتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار و خواص صادر ہوں گے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے انسان ایک صاحب ارادہ ہستی ہے اس لئے اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں بلکہ خلقی ہیں اس لئے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے آپ کے حرکات و افعال آپ کے اعضاء سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوت ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغۂ گوشت اعضاء سے اپنی حسب خواہش مختلف حرکات و افعال صادر کراتی ہے اسی طرح روح اعظم کی قوت ارادہ اس بے جان عالم کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے اس لئے ہم کو اسباب عادیہ کا علم کسی قدر حاصل ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی برف اور خنکی کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے جس کی بناء پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے خنکی کا انفکاک نہیں ہو سکتا حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا مثلاً جس عہد تک گردش آسمانی اور دورۂ نجوم حوادث کے اسباب و علل یقینی سمجھے جاتے تھے اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادث عالم کی توجیہ کی جاتی تھی اس وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار و نتائج کے درمیان ایک قسم کا تلازم سمجھا جاتا ہوگا اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت و معلول ہیں ناقابل انکار سمجھا

پیدائش کو دیکھتے رہتے، حیرت زائل اور استعجاب و استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار و ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا، لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ نامی ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پندار سر انکار سے جھٹک دیتا ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں۔ آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقل یہ فیصلہ کر لیتی کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہئے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہئے؟ معمولاً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوتے ہیں۔ اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچے کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیونکر جاتا ہے ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے۔ ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات و تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات و تجربات میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی تحقیقات کی دیواریں ڈھادیں فلکیات جدیدہ نے فلکیات قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیئے ہیئت قدیم اور ہیئت جدید میں آسمان و زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا۔ جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت دے سکتا ہے؟ فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے اس لئے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہوں میں یہ خیال شاید جہالت اور مضحکہ انگیز سمجھا جاتا پھر حکمت جدیدہ کے دانایان روزگار کو آج مذہب کی جو چیزیں مضحکہ انگیز نظر آتی ہیں کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات "حکمت مستقبلہ" کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایۂ علم عقل و معقول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیل کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک تصور کلی پیدا کر لیتے ہیں مثلاً ایک سیب کو دیکھا اس کی خوشبو کو سونگھا اس کے مزہ کو چکھا اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا

ہے اس کی شکل و صورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم کلی لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور یہ اثر ہوتا ہے اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا اس کی شکل و صورت رنگ وغیرہ اور خنکی کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہم نے ہر دفعہ محض برف کی شکل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ ہر آگ جلاتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں عقلاً کیونکر ناقابل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ آپ عادتاً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لئے ان پر یقین کر کے جلب منافع اور دفع مفاد میں ان سے کام لیں اور یہی مسلمہ عادیہ کی حقیقت و مصلحت ہے۔

## علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب و علل تجربی ہیں:

ہم نے جس پیرایہ پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے چنانچہ ہم یہاں اس کی تلخیص اس لئے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آ جائے۔

”کھانے کے بعد آسودگی پینے کے بعد سیری یہ بھی تجربیات میں ہے اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے قضایائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی خاص دوا کا استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے۔ یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے جو مشمومات مسموعات مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ حس اس کو چکھتا یا دیکھتا یا سونگھتا یا چھوتا ہے پھر نفس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے وہ وجدانیات میں سے ہے جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے اب نفس میں جو اعتقاد کلی قائم ہو جاتا ہے کہ اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے وہ اسی قبیل تجربیات سے ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے اور اسی کا نام تجربیات ہے مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہر قاتل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہو جاتا ہے یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک مرئی رنگ سے جو ان تمام افراد میں تھا یہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذات پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا تو علم احساس سے ہوتا ہے لیکن تکرار سے عقل قدر مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے۔ مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں تو کہاں

کر لیتے ہیں کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوئی ہے یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے اسی طرح جب ہم سیاروں کے اختلاف حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے''۔

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں۔

''فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے جن میں سے ایک حسیات ہیں حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہو سکتا اس لئے فقط حسیات سے کوئی قضیہ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا جو برہان یقینی کا کوئی جزو بن سکے' مثلاً اہل منطق کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے جو قیاس تمثیلی کی ایک قسم ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس کا علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے تو یہ علم بھی کہ 'ہر آگ میں یہ قوت موجود ہوتی ہے' ایک حکم کلی ہے جو احساس سے نہیں دریافت ہو سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جس میں یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں کیونکہ یہ قضیہ کہ 'جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے' اس میں تخصیص شمول عموم اور استقراء کے ناقص کو دخل ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ آگ ہر شے کو جو اس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے وہ غلطی کرتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو ورنہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی جس طرح کہ پتھر اور یاقوت کو نہیں جلا سکتی یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانع آتش دوائیں لگا دی گئی ہوں' خرق عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے بہرحال قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے جس کا نقض نہ ہو سکے اور در حقیقت قضیہ کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قضیہ حسیہ مثلاً ''یہ آگ جلاتی ہے'' اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے اور حکم کلی جو عقل لگا دیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کو دیکھنے کے بعد اپنے میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ''ہر آگ جلاتی ہے'' یہی حکم کلی ہے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی قیاس تمثیلی ہے اور اس کی کلیت اور عمومیت پر اس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا نقض باتفاق عقلا جائز نہ ہو بلکہ فلاسفہ تک خرق عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لئے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی مخفی اسباب کی طرف خرق عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیاء کے معجزات اولیاء کے کرامات اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں''۔

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں:۔

''اور یہی حال تجربیات کا ہے لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بناء پر ہے کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہوگا تو یہ قضیہ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہوگا بلکہ اس کے ساتھ

حکم عقلی کا لگانا بھی ہے۔ تجربہ سے جو اثر خاص کسی شے کے متعلق ہم کو معلوم ہوتا ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ اس شے میں اور اس کے اثر معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اس سے عادت مستمرہ کا علم ہوتا ہے خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے پائی جاتی ہے وہاں وہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی۔ اب جس قدر اس تلازم میں قطعیت پائی جائے گی اسی قدر نتیجہ کا اعتقاد بھی قطعی ہوگا اور جس قدر تلازم میں قطعیت ہوگی اسی قدر تلازم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی اور یہی قضایا مجربہ ہیں جیسے طب کے تجربیات وغیرہ یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور آگ کے چھونے سے بدن میں گرمی اور برف کے چھونے سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔۔۔ یہی تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہے"۔

## تجربیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو تجربہ سے حاصل ہوا۔ اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو۔ ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں۔ طبعیات، کیمیا، نباتات، طبیعیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں اگر آپ یہ تحقیق کریں تو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لئے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کر لیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر آپ کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لئے چراغ راہ ہے اس چراغ میں کیا روشنی ہے اور کیا شے ہے کہ یہ بجھتا نہیں؟ وہ روایتیں، اخبار اور قصص و حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں اگر یہ سلسلہ روایت کہیں منقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تاریک ہو جائے لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کی جاتی بلکہ اس کے لئے معتبر راویوں اور گواہوں کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم تغیر کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیکن اگر یہ شرائط پورے ہو جائیں تو روایت متواتر کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہئے۔

## فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں فلسفہ اشخاص یا جماعتوں کے مختلف خیالات کی اور

سائنس کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے مصنف درسگاہ کا ہم پروفیسر ہیوٹ وٹلی سے یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یونان، اسلام اور یورپ کے قرون وسطیٰ میں فلسفی پیدا کئے ہیں؟ کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیا کے انسانی نے علم واکتشاف، تجربہ ودانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخ کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا یا ہو سکتا ہے یا آئندہ ہوگا؟ آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بجز بسیط عنصروں سے مرکب ہے ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جز ہیں سنکھیا کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں اس لئے آپ ان کو باور کرتے ہیں لندن اور پیرس کو آپ نے خود جا کر دیکھا، لیکن جبکہ آپ ان شہروں کے وجود میں شک نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں اس لئے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بکثرت لوگوں سے اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ ان میں شک نہیں کر سکتے لیکن کوہ قاف کے پرستان کے بسنے والوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے اس لئے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے اسی طرح ہیئت وفلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں اجرام سماوی کا طلوع وغروب وغیرہ کسی ایک ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور پھر صدیوں کے مشاہدات جمع ہو کر آپ کے سامنے ہیئت وفلکیات کا ایک مکمل دفتر بن کر آ جاتا ہے مگر غور کیجئے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت وشہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے آفتاب روشن ہے پتھر سخت ہے کھانے سے سیری ہوتی ہے چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے غرض تمام وہ قضایائے تجربیہ جن پر علوم وفنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت وکلیت کو آپ کو یقین یا ظن غالب ہے ان کی یہ کلیت اور عمومیت کا یقین، قضیہ محض صرف آپ ہی کے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعہ سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ اصول مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

## تاریخی شہادتوں کے شرائط استشہاد:

لیکن ان تاریخی شہادتوں کے معتبر ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ خبر راوی چشم دید گواہ ہو یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلا واسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو وہ راست گفتار ہو اس کا حافظہ صحیح ودرست ہو فہیم اور نکتہ دان ہو اسی طرح آغاز سلسلہ روایت سے لے کر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی ان ہی صفات سے متصف ہو جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی واقعہ کے متعلق آپ کے علم واذعان میں بھی ترقی ہوگی اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی آپ کے علم واذعان میں بھی کمی ہوگی۔

## مسلمانوں کا علم روایت:

اب مسلمانوں کے طرز اخبار یا علم نقل و روایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ٹھیک یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لئے مقرر کیا ہے سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا اس جزو واقعہ کے علم و اذعان میں بھی اسی قدر نقص ان کے نزدیک پیدا ہوگا پیغمبر اسلامؐ کی طرف جس قدر بھی صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو۔ ہیوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "فہم انسانی" میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لئے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت و اصول حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو پیغمبر اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔

صحیح معجزات نبوی کے پہلے راوی یعنی وہ صحابہ کرام جو ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں صدق، تقویٰ اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، ذہانت اور متانت واقعات پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں بیچ کے راوی وہ محدثین عظام ہیں جن کی سچائی، راستی اور حفظ و فہم پر اسماء رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی رؤس الاشہاد کہا اور بار بار کہا کہ "جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" صحابہ کا یہ حال تھا کہ آنحضرتؐ کے متعلق کوئی خبر بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے بیچ کے ثقہ و مستند راوی بھی انتہائی نفسی احتیاط سے کام لیتے تھے اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبر متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا تین سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں معجزات نبوی مختلف طریقوں سے مروی ہیں اور انہی کے اعتبار سے ان کی صحت بیان کا درجہ ہے یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور دیانت داری سے ان روایات کو معیار پر جانچ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام اصولی بحث موجود ہے۔ معجزات کے ثبوت پر یہ طرز استدلال گو عجیب ہے لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرز استدلال پر دنیا کے یقین کا کل کاروبار قائم ہے اس کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیان عقل کی جبین حیرت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

## تاریخی واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے:

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں۔ یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا پہلی صورت میں اس کا علم اس کے حواس و مشاہدہ پر موقوف ہے اور درایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے چنانچہ ان صحابہ کو معجزات کے متعلق علم ہوا ان کے سامنے ظاہر ہوا دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت

سے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعہ علم اس کے لئے دنیا میں موجود نہیں ہے آپ کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں اس باب میں بھی انہی کا استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سد راہ نہیں ہوتے۔

## خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے:

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں خطوط، تار، اخبارات آج کل کی زندگی کا جز ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے، نامعلوم اجنبی کے تاروں اور چھپے ہوئے اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت انگیز واقعات و ایجادات و علمی حالات لکھے ہوئے بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ آج تمام تجارت کا دارومدار ان ہی تاروں پر ہے۔ یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر بیوپاری بخوشی اس خبر احاد کو یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کی نذر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے غلط لکھ گیا ہو، ممکن ہے تار ماسٹر جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھ دیا ہو، یہ تمام احتمالات عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفا خانوں میں جاتے ہیں اور معالجوں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفا خانوں میں، شربت اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ دوا بنانے والے کی غلطی یا لاعلمی سے یہ دوا نسخہ کے مطابق نہ بنی ہو اور اس لئے اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

## واقعات پر یقین کے لئے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث میں نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے:

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم ہمارے تجربہ اور روایت پر مبنی ہیں اس لئے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر مبنی ہے اس لئے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایتاً صحیح بھی ہے یا نہیں؟

## جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئے:

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہئے لیکن درجہ تمام کمیت اشخاص سے زیادہ کیفیت اشخاص کا ہے ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرض بحث ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلم ہے جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے جس کی قوت حافظہ نہایت بلند ہے تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایات اسلامیہ کے سوا دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس لئے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایت کی ایک خاص اہمیت ہے۔

## معجزات دراصل تجربات کے خلاف نہیں ہوتے۔

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کر دینا ہے جو معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سینکڑوں ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے اس لئے وہ ناقابل یقین ہے۔ یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے ہزاروں لاکھوں شخص دنیا میں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں ان کی تکذیب و تغلیط کی جاتی دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف حیثیتوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں معجزہ کا راوی ان کی تغلیط و تکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے جس کے متعلق ان کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جا سکتی اور تمام مسلمان اس کے لئے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزات نبوی کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

## معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں:

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن ہے بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لئے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی راستی و دیانت، صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو قوی یا کمزور بنا سکتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہل اصول کا قانون شہادت ہے اور اسی طریق سے اس

السنۃ والجماعۃ معجزہ کو ثابت کرتے ہیں علامہ ابو منصور عبدالقاہر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں۔

﴿ و بهذا النوع من الاخبار (المستفیض) علمنا معجزة نبینا ﷺ فی انشقاق القمر و تسبیح الحصا فی یدہ و حنین الجذع الیه لما فارقه و اشباعه الخلق الکثیر من الطعام الیسیر نحو ذلک من معجزاته ﴾ (ص۳۱۲)

اسی خبر مشہور کے ذریعے ہم نے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو جانا مثلاً شق قمر دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخ خرما کا گریہ و بکا کرنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کرنا وغیرہ۔

## خلاصہ مباحث:

گذشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل سطروں میں کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ معجزہ خرق عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی ارتقائی شکست کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتی ہے۔

۲۔ خرق عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی شکست ممکن بلکہ واقع ہے۔

۳۔ کیونکہ عادات طبعی اور سلسلۂ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔

۴۔ اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو اس کی قطعیت اور عمومیت کلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

۶۔ اس لئے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے۔

۷۔ اسلامی روایات اور صحیح معجزات نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارق عادت کا قوی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

## یقین معجزات کے اصول نفسی:

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا لیکن ظاہر ہے کہ کل دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے بلکہ خالق فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے۔ واقعات کسی حد تک عجیب انگیز اور دور از عقل ہوں تاہم انسانوں کی بڑی تعداد دلیل و برہان منطق کے بغیر صدق دل سے ان پر یقین رکھتی ہے کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لئے اس کا فہم انسانی میں آ جانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے۔ ایک طبعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو بعض لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ استدلال و برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک، سفسطہ اور خواہ مخواہ کی تردید اور بحث کی عادت نہ ہو اور اس کی طرف فطرت صالح اور سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آ سکتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اسی طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتقاد ہو بکثرت لوگ اس کے معاملات میں باہم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہوں تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے جیسا اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں۔ ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو یہ شخص اس کو باور کر لیتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی صداقت یا پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا کسی دلیل اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرے گا چنانچہ حضرت صدیقؓ (یا اور اکابر صحابہؓ) کو آنحضرت ﷺ سے جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا اس لئے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی۔

۵۔ حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی اکثر دوسرے قرائن سے تصدیق ہو جن سے گو ایک متواتر ہو اور تحقیق طلب شخص کی تشفی نہ ہو مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے مثلاً اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے اسی اثناء میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آ کر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی بے اطمینانی نہیں رہتی گو اس کی صحت کی راہ میں آپ سینکڑوں عقلی احتمالات پیدا کر سکتے ہیں یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا یا آپ ﷺ کی دو ایک پُراثر باتیں سنیں یا آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برہان آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئے کیونکہ انہوں نے پہلے آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا مگر جب اتفاق سے آپ ﷺ کے دیدار کا موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافہ کے ذریعہ سے شک دور ہوا اور اس قسم کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔

۶۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی کسی دقت پیش نہ ہو گی۔ اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائن و آثار کی تائید کی۔ یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لئے کافی ہے (یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور حق پرست تھے)

انہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین و ایمان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے تعلیمات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

## معجزہ اور سحر کا فرق:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ سے بھی اسی قسم کی چیزیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس چودھویں صدی میں کم مفہوم ہوں تو ان کے معنی مسمریزم اور

چھو منتر کے بھولے جائیں۔ ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ساحر و شعبدہ باز اور مسمریزم والے کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں۔ معتزلہ اور مذہب ظواہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر، طلسم، شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل ماہیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائبات سرزد ہوتے ہیں مثلاً سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ یہ چیزیں سحر و طلسم کے ذریعے نہیں ہو سکتیں۔ حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی۔ ایک شخص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا اور نظر بندی ہے یا واقعی ہے، یا معمولی کام ہے یا عظیم الشان کارنامہ ہے، نہایت مشکل ہے کیونکہ ان اشیاء کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں، یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خوارق عادات کل خیر میں صرف ہوں یا کل شر میں، اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی، بہت کچھ قابل بحث ہے، ایک مسمریزم والا اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے تو یہ خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو معجزہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں، ایک یہ کہ معجزہ بلاواسطہ خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود ادائے دعوت الٰہی کی تقویت یا تبلیغ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی ہدایت اور برکت ہوتی ہے، محض کھیل تماشہ، شعبدہ بازی اور بازیگری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحر، بازیگر، شعبدہ باز صرف تماشا کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں ان کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الٰہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور برائیوں کے قلع و قمع کے مدعی ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور معجزانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں۔ قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، ان کی صدائے حق جا بجا قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہیں، ان کی سچائی، راستی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے، وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایمان اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں، ایک ساحر اور مسمریزم والا اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن، بدکار کو عفیف، بے باک کو متقی، بخیل کو فیاض، سخت کو نرم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے لیکن کسی زنگ آلود دل کو جلا نہیں دے سکتا۔

یہ ظاہری مشابہت اور اشتراک صرف نبی اور ساحر ہی تک (معجزے اور سحر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوتی ہے۔ صبر اور بے حسی، توکل اور کاہلی، بخل اور کفایت شعاری، سخاوت اور اسراف، حق گوئی اور گستاخی، شجاعت اور تہور ان سے زائد ایسے باہم اس قدر ملے ہوتے ہیں کہ انسان کی قوت تمیزہ بھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے لیکن اہل نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے، ان دونوں کی ظاہری شکل و

صورت گو ایک ہو مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں جب پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لئے گو دونوں ایک ہوں مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ شریعت کا حامل گنہگاروں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشہ گر، شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر و محتال۔

ایک عطائی اور طبیب حاذق اور ایک مصنوعی سپاہی اور ایک بہادر جری، ایک حرف شناس اور ماہر علوم، ایک مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور محقق صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کر سکیں مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے۔ مولانا روم نے اس فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں — فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اسی طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں لیکن ان میں برسوں کا فاصلہ ہے

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — آب تلخ و آب شیریں را صفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں میٹھے و تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل — لیک شد زاں نیش و زیں دیگر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے لیکن اس سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب — زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے

ہر دو نے خوردند از یک آبخور — آں یکے خالی و آں پر از شکر

دونوں قسم کی نے ایک پانی سے پرورش پاتی ہے لیکن ایک اندر سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد — واں خورد زاید ہمہ نور احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل اور حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے

ایں زمیں پاک است و آں شوراست و بد — ایں فرشتہ پاک و آں دیو است و دد

یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور

بحر تلخ و بحر شیریں درمیاں — درمیاں شاں "برزخ لا یبغیان"

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے

زر قلب و زر نیکو در عیار — بے محک ہرگز ندانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی

صالح و طالح بصورت مشتبہ — دیدہ بکشا تا کہ گردی منتبہ

نیک اور بد کی صورتیں ملتی جلتی ہیں۔ آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکے گی

کافی نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ بہتر بحث ابن رشد نے کشف الادلہ میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ و نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے دعویٰ کی تصدیق کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کر دیتا ہے، چاند کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے، آگ کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب ہیں، لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

فرض کیجئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ و ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ و ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اسی کمال کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے۔ اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اشیاء و حقائق کے خصائص اور علل خدا کے امر و حکم سے ہیں اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے وہی اس کو توڑ سکتی ہیں اور یہ شکست و خرق چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی مہر اور انگوٹھی پیش کرتا ہے اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعویٰ پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہ راست کوئی مناسبت نہیں، لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی نشانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھتا ہے۔ جلوس میں وہ پیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع میں آتا ہے، مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادت کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا نکل! بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے۔ بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی کہ وہ شاہی قاصد ہے اسی طرح دنیا کے اسباب و علل اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے لوگ اس کے قاصد الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرق عادت دکھا دے

دکھاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔

لیکن معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے؟ ظاہر ہے اس کو برہان یقینی نہیں کہا جا سکتا تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیات میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے۔ ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمال روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہوگا۔ ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور صلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں تاہم عوام کی دلجمعی کے لئے یہ کافی ہے۔

لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدلی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ زمانہ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی خارق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اسی موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے۔ یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لئے دلیل و حجت نہیں ہو سکتا تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اور انہی کے طلب و اصرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے لئے دلیل ہو سکتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط بحث ہو گیا ہے اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں۔ دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام لغوی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے اسی بنا پر جب معجزہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے بے سود ہے چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے۔ شرح مواقف بحث معجزات میں ہے۔

﴿وهذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل وكدلالة احكامه واتقانه على كونه عالماً بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط بنفسها بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليست المعجزة كذلك بل هي دلالة عادية كما اشار اليه بقوله وهي عندنا اي الاشاعرة اجراء الله عادته بخلق العلم بالصدق عقيبه اي عقيب ظهور المعجزات﴾

معجزہ کی دلالت نبوت پر محض عقلی نہیں جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام و اتقان کی دلالت فاعل کے علم پر ہے کیونکہ دلائل عقلی اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے

اور شہادتوں کواتنی کے ساتھ نماز تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہوکہ یہ جوڑ مری اور نظر بندی ہے۔[1]

## امام رازیؒ کی تقریر:

امام رازیؒ نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ شرح و بسط سے لکھی ہے ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت کو تسلیم کرتے ہیں ان میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہئے کہ صداقت و راستی کیا ہے اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اس کی دعوت موثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہی ہے تو ہم یقین کرلیں گے کہ یہ سچا پیغمبر ہے۔ یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک و شبہات کم آتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال قوت علمی و عملی کی تکمیل اور تزکیہ ہے اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں ایک وہ جو اس میں ناقص ہے یا عام انسان ہیں دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا یہ خواص اور علماء کا درجہ ہے۔ تیسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے یہ انبیاء ہیں۔ اس کمال و نقص کے بڑے ادنیٰ متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور ہر ایک کے لحاظ سے ان کی قوت اور مرتبہ کا اندازہ ہوگا۔ ان کی قوت علمی کے سامنے تمام معقولات بدیہی ہوتے ہیں اور معارف الٰہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہیں اور یہی معجزات کا مقصد ہے۔ اس قوت علمی و عملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو ان دونوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا دفع کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے۔

امام رازیؒ نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں۔[2]

## مولانا رومؒ کے حقائق:

مولانا نے اس بحث کو بعض تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے کہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لئے سب سے بڑی چیز حسن ذوق ہے آب شیریں اور آب شور صورت و شکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہیں مگر صرف صاحب ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کرسکتا ہے اسی طرح نبی اور متنبی کو ظاہری شکل و صورت اور دعوے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

---

1. مقدمہ ابن خلدون فصل صفحہ ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹ مصر۔
2. مطالب عالیہ قلمی نسخہ کتب خانہ ... یہ فصل ... باب ... ہمارے پیش نظر ہے ... مولانا شبلیؒ نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کا ذکر کیا ہے، دیکھو صفحہ ... طبع اعظم گڑھ۔

| فارسی | اردو |
| --- | --- |
| جز کہ صاحب ذوق بشناسد بیاب | غرض کہ صاحب ذوق کے سوا کون پہچان سکتا ہے |
| او شناسد آب خوش از شورہ آب | وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے |
| جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم | صاحب ذوق کے سوا مزوں کی تمیز کون کر سکتا ہے |
| شہد را ناخوردہ کے دانی ز موم | اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیونکر کر سکتے ہو |
| سحر را با معجزہ کردہ قیاس | اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ دونوں |
| ہر دو را بر مکر پندارد اساس | کی بنیاد فریب پر ہے |
| زر قلب و زر نیکو در عیار | تم کھوٹے اور کھرے سونے کا فرق |
| بے محک ہرگز ندانی ز اعتبار | کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں کر سکتے۔ |
| ہر کرا در جان خدا بنہد محک | خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے |
| ہر یقین را باز داند او ز شک | وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے |
| چون شود از رنج و علت دل سلیم | جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو |
| طعم صدق و کذب را باشد علیم | تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا |

دوسری چیز طلب ہے۔ جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی اس کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں، اور جب دل میں طلب اور روح میں بیقراری پیدا ہو جاتی ہے اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے۔ کسی کو اگر پیاس ہو اور وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پی لے گا۔

| فارسی | اردو |
| --- | --- |
| تشنہ را چون بگوئی تو شتاب | جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ |
| در قدح آب است بستان زود آب | دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے |
| ہیچ گوید تشنہ کیں دعوی است رو | کیا کوئی پیاسا اس وقت یہ کہتا ہے کہ |
| از برم اے مدعی مہجور شو | یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہٹو |
| یا گواہ و حجتی بنما کہ ایں<br>جنس آب است و ازاں ماء معین | یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل<br>لاؤ کہ یہ پانی ہے۔ |
| یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد<br>کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد | یا جب شیر خوار بچہ کو اس کی ماں پکار کر کہتی ہے<br>کہ اے بچہ! میں تیری ماں ہوں |
| طفل گوید مادرا حجت بیار<br>تا کہ با شیرت بگیرم من قرار | تو بچہ یہ کہتا ہے کہ اپنی ماں ہونے پر دلیل<br>پیش کرو تب میں تمہارا دودھ پیوں گا |

| | |
|---|---|
| در دل هر امتی کز حق مزه است<br>روی و آواز پیمبر معجزه است | جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے اس کے لئے<br>خود پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے |
| چون پیمبر از برون بانگی زند<br>جان امت در درون سجده کند | جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو<br>امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے |
| زانکه جنس بانگ او اندر جهان<br>از کسی نشنیده باشد گوش جان | سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی<br>آواز روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی |

تیسری چیز اتحاد جنسیت ہے۔ معجزات کا مقصد عموماً معاندین کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے لاجواب و خاموش کر کے تم خصم کو زیر کر سکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کر سکتے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| موجب ایمان نباشد معجزات<br>بوی جنسیت کند جذب صفات | درحقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے<br>بلکہ اتحاد جنسیت کی بو اس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے |
| معجزات از بهر قهر دشمن است<br>بوی جنسیت سوی دل بردن است | معجزات تو مخالف کو دبانے کے لئے ہوتے ہیں<br>اور اتحاد جنسیت کی بو دل کو مسخر کرنے کیلئے ہے |
| قهر گردد دشمن اما دوست نه<br>دوست کی گردد ببسته گردنے | دبا کر تم دشمن کو زیر کر سکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے بھی<br>کوئی کسی کی گردن باندھ کر زیر کرے دوست کیونکر ہو سکتا ہے |

معجزات کا صدور اکثر اسی طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے اس سے کسی خرق عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکے گا اور اس طریقے سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس خرق عادت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی عالم آشکارا ہو جاتی ہے اور اس بناء پر معجزہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰ کو رسوا کرے مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰ کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰ کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی اس بناء پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لئے ضروری ہے۔

| | |
|---|---|
| منکران را قصد اذلال ثقات<br>ذل شده عزه ظهور معجزات | مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکوکاروں کی<br>لغزش ہو یہی ان کی ذلت اور معجزے کے غلبہ و عزت کا<br>باعث ہو گیا |
| قصد شان انکار و اذلال این بده<br>عین ذل عزه رسولان آمده | ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی<br>لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث<br>ہو جاتا ہے |

| | |
|---|---|
| گر نہ انکار آمدے از ہر بدے | اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا |
| معجزہ برہان چہ نازل شدے | تو معجزہ و برہان کیوں نازل ہوتا |
| خصم منکر تا نشد مصداق خواہ<br>کے کند قاضی تقاضائے گواہ | جب تک فریق دوم دعویٰ سے منکر اور خواہان تصدیق نہ ہو قاضی گواہ اور شاہد کب طلب کرتا ہے |
| معجزہ ہمچوں گواہ آمد زکی | اسی طرح سے مثل منصف معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے |
| بہر صدق مدعی در بیکلی | جو مدعی کی تصدیق کے لئے سامنے آیا ہے |
| طعنہ چوں می آمد از ہر ناشناخت | جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا |
| معجزہ می داد حق و بنواخت | تو خدا پیغمبر کو معجزہ سے سرفراز فرماتا تھا |
| مکر آں فرعون سی صد تو شدہ | فرعون موسیٰ کے مقابلہ میں سینکڑوں داؤ پیچ چلا |
| جملہ ذل او و قمع او شدہ | مگر ان میں سے ایک ایک داؤں کی ذلت اور شکست کی باعث ہوئی |
| ساحراں آوردہ حاضر نیک و بد | اس نے اچھے برے ہر قسم کے جادوگر جمع کیے |
| تا کہ جرح معجزہ موسیٰ کنند | تاکہ موسیٰ کے معجزہ کو باطل کرے |
| تا عصا را باطل و رسوا کنند | اور عصائے موسیٰ کی قوت کو باطل اور رسوا کرے |
| اعتبار او ز دلہا برکنند | اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھو دے |
| عین آں مکر آیت موسیٰ شدہ | لیکن یہی سازش موسیٰ کی صداقت کی نشانی ہوگئی |
| اعتبار آں عصا بالا شدہ | اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی |

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے ان جمادات و نباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں۔ معاندین کا معجزہ طلب کرنا جو انبیاء سے جمادات و نباتات بے جان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبول ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے خود ان کی یہ طلب ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے۔ جن کے آئینہ دل پاک و صاف ہوتے ہیں وہ بلاواسطہ جمادات و نباتات پیغمبر سے براہ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی اس کے لئے بھی استعداد کی ضرورت ہے دریا کی طراوت اور اس کے مدوجزر ہونے میں شک نہیں لیکن اس میں تشنگی کے بغیر بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔

معجزہ کاں بر جمادے زد اثر      یا عصا یا بحر یا شق القمر

معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے مثلاً عصا کا سانپ ہو جانا سمندر کا پھٹ جانا چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔

گر اثر بر جاں زند بے واسطہ        متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

اگر وہ معجزہ براہ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس کا رابطہ پیدا ہو۔

بر جمادات آں اثر عاریہ است        آں پے روح خوش متواریہ است

لیکن غیرذی روح پر اس کا اثر عاریۃً ہے اور روح کے لئے پوشیدہ ہے۔

تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر        حبذا آں بے ہیولائے خمیر

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیرذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روح انسانی اثر پذیر ہو۔

بر زند از جان کامل معجزات        بر ضمیر جان طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لیے زندگی ہوتا ہے۔

معجزہ بحر است و ناقص مرغ خاک        مرغ خاکی رفت در وے شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص خشکی کے پرندہ کی۔ خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوب جائے گا۔

مرغ آبی در روے ایمن از ہلاک        ماہیاں را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پروا ہے بلکہ مچھلیوں کے لئے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔

الغرض متعصبین اور معاندین کے لئے جس طرح صدق نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں معجزہ کی شہادت بھی بے کار ہوتی ہے معجزہ طلب فرقہ شاذ و نادر ہی دولت ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں ان کو قبول اثر کے لئے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں ابوجہل معجزہ دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابوبکرؓ بے معجزہ ان سے صدیق اکبر ہو گئے۔

از پیمبر خواست بوجہل لعین        معجزات از مصطفےٰ شاہ مبین

ابوجہل نے عناد سے آنحضرت ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔

معجزہ جست از نبی ابوجہل سگ        دید و نفزودش ازاں الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست        گفت ایں رو خود نگوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ طلب نہ کیا انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ نبوی کے منہ سے جھوٹ کب نکل سکتا۔

## صحابہؓ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا؟

اب یہاں پہنچ کر مطالعات اور نظریات کو جانے دیجئے واقعات کو لیجئے آنحضرت ﷺ نے جب آوازہ نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا آپ ﷺ پشت ہا پشت کے خود کردہ عادات کے ترک کی دعوت دے رہے تھے صدیوں کے مذہب جو لوگوں کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھے آپ ﷺ اس کی مذمت کرتے تھے جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے آپ ﷺ ان کو منہدم

کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، زنا، اکل اموال، قتل، خونریزی، کینہ، عداوت، سود، قمار بازی، شراب نوشی وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے آپ ﷺ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے علاوہ بریں آپ ﷺ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت و خزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لئے بجز مصائب و بلا کے آپ ﷺ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائیداد سے محروم، اپنے خاندان سے جدا، یعنی اپنے وطن سے بے گھر اور اپنے شہر سے دور ہو جائے گا، قریش میں ذلیل و خوار اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا، غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جا رہی تھیں، وہ سب کے سامنے تھیں، بایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانہ محمدی کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تھے اور تو اور خود وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر واحد اور احزاب و خندق کے بانی تھے وہ بھی ایک روز سر اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے۔

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا؟ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمد ﷺ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنا لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہو گئے؟ ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنایا؟ اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک خاص نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل اور اذعان کے طریق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہ نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے، آپ ﷺ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلب سلیم کے لئے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں موثر اور کارگر ہوتی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوائے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے کہ محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابوبکرؓ سا راستباز اس صداقت سے متاثر ہے، خدیجہؓ ایمان لائیں، مگر یہ کہہ کر کہ آپ جیسے اخلاق کا انسان جو غریبوں کا معین، مفلسوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجے میں نہیں گرفتار ہو سکتا، حضرت ابو ذر غفاری اور حضرت عمرو بن عبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ ﷺ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلام ربانی سن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی نے نبی کا خطبہ سننے کے ساتھ نعرۂ حق بلند کر دیا، حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرہ انور دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں" حضرت ضمام بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی میں آ کر آنحضرت ﷺ کو قسم دلائی کہ تم کو کیا خدا نے بھیجا ہے اور جب آپ ﷺ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

انصار مدینہ کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے جب انہوں نے آپ ﷺ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں، فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام

لانے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ خاندانی قبیلہ کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک پورا قبیلہ صرف آپ ﷺ کی
فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا۔ متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو
میں نہ رکھ سکے۔ متعدد قریشی جانباز جو معرکہ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کے آداب و اخلاق کو دیکھ کر اسلام
لے آئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں تک کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی
صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ ابوسفیان کسی قسم کے معجزات اور خوارق عادات سے متاثر نہ تھے اور نہ جنود و خدم کی
فوج کی اس کثرت سے مرعوب ہو سکتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کا رشد و ہدایت ان کے سخت دل کو نرم کر سکتا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ پیغمبر
کے اعتراف کو مدد ملی کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر آپ کے بعد دشمن پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا
ہے۔ وحشی جو قاتل حمزہ تھے ابوسفیان جیسا دشمن اس وجہ سے مسلمان ہو گیا کہ آپ ﷺ دشمنوں کے
ساتھ بھی کس محبت سے پیش آتے۔ قیصر روم صرف آپ ﷺ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند صفات سن کر اعتراف حق پر
مائل ہو گیا۔ حضرت عدی بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے وہ آپ ﷺ کو بادشاہ سمجھ کر ملنے آئے مگر یہاں
انہوں نے دیکھا کہ ایک لونڈی آتی ہے اور آپ ﷺ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر
سے پکار اٹھا کہ آپ ﷺ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

ایسے لوگ بھی تھے جو ان روحانی و اخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ
استعداد رکھتے تھے۔ قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے۔ ایک سفر میں
ایک قبیلہ کی عورت آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ یا تو میں نے سب
سے بڑے جادوگر کو دیکھا اور یا وہ نبی ہے اور اس نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا۔ متعدد یہودی اس لئے مسلمان
ہو گئے کہ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ حرف بحرف آپ ﷺ میں سچی نظر آتی
تھیں۔ متعدد یہودی علماء نے آکر آپ ﷺ کا امتحان لیا اور جب آپ نے ازروئے وحی ان کے جوابات صحیح دیئے تو
وہ آپ ﷺ کے پاس آکر آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپ کو سچا رسول تسلیم کروں
گا جب یہ درخت کا خوشہ آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی شہادت دے۔ اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے
دیکھ لیا تو مسلمان ہو گیا۔[1] ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا کہ آپ
کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "سامنے کا درخت" اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس درخت کو
بلایا وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور تین بار آپ کی تصدیق کی گواہی دی یہ دیکھ کر وہ
مسلمان ہو گیا۔[2] سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تعاقب میں گھوڑا
دوڑاتے آرہے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس

۱ جامع ترمذی معجزات ص ۲۰۳۔
۲ مسند دارمی باب ما اکرم النبی من ایمان الشجر۔

اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہو گئی، حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لے کر "مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے اس لئے ان میں ایک طرح کا عجیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے عالم غیب سے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیات یا تائید الٰہی کا کام دیتے ہیں قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے۔ محدثین ان کو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور علماء اور متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث:

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدماء نے علل طبیعیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتاً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہو گئی ہے۔ نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لئے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزات و واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے اس لئے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقل جواب دیا گیا ہے بلکہ در اصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے۔

بہرکیف اس خاکہ کی بناء پر ترتیب مباحث یہ ہو گی۔

۱۔ امکان معجزات ۲۔ شہادت معجزات ۳۔ استبعاد معجزات ۴۔ یقین معجزات ۵۔ غایت معجزات

## امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر سینکڑوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم[1] نے جو چند اوراق لکھے تھے وہ سارے علماء پر بھاری ہیں اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گذر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی وہیں کے نقوش مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

---

۱؎ Human understanding. "فہم انسانی" (باب بحث معجزات)

## ہیوم کا استدلال:

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱) انسان کے علم و یقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے۔ جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے اسی طرح تجربہ ہی کی بناء پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گذشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان مختلف یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے بیماری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارہ بوڑھا فقیر رات کو مر گیا۔ تم کو اس کے بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار دولت مند کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتماد نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس و پیش کرو گے۔ تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ ”میں نے اس بوڑھے فرتوت پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے“ اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو مخبوط الحواس سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا۔ کیوں؟

صرف اس لئے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گذشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی۔ اسی بناء پر اس کو خلاف فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابلہ میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

(۳) معجزہ اسی صنف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا اس لئے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لئے عام انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آ سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو اس لئے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہئے۔

''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں' سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا' آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے' صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے۔ جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ بھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی' مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے' اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے' البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے تو گویا معجزہ کے نفس حقیقت و ماہیت میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے''۔ لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے (جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے) کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو' جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا۔ جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو۔ میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔ (فہم انسانی' باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہوتا' ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہٰذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی' ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہوگا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور

ہیں جن سے اوپر اُدھر کھینچ کر کے نکل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بناء پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کریں کہ بقیہ دائرے بھی اسی شکل کے ہیں۔[1]

قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے آشکار کیا وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا اس لئے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے؟

"جب[2] ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا کوئی امکان نہ ہو ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگنے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے۔ اشیاء میں اس تقدم و تاخر یا تعاقب کے پائے جانے سے ذہن کو کسی تعلق کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا۔

"کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا توانائی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو ہم کسی سابق تجربہ کے بغیر اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔"

"حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی صفات محسوسہ کی بناء پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے معلوم کر سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے کیونکر وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے۔ صلابت، امتداد، حرکت یہ تینوں کیفیات خود مستقل صفات اور ایسے واقعات کا نشان نہیں دیتیں جن کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے۔ موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی چلی جاتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی۔ ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لزوم ہے؟ اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔"

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت[3] کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔

"عام طور پر لوگوں کو فطرت کے معمولی یا اکثر ہونے والے واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آ جانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد و تناسل، غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے

---

۱　مل کی "منطق" کتاب سوم باب ۳ فصل ۱ کا حاشیہ۔

۲　فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔

۳　فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔

واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہے جس کی بناء پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لئے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں' بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا" صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات و حوادث ظاہر ہوتے ہیں مثلاً زلزلہ، وبا یا کوئی اور عجیب و غریب بات' تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ و تشریح کیسے کی جائے؟ اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل و ارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی۔ پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعات عالم کا مبداء اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات و حوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے۔ بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادہ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں"۔

جب یہ مسلّم ہو چکا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خطا ہونے کا بھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا۔[1]

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (Scientist) ہے اور جس کی جگہ حکماء کی صف اول میں ہے، اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے ہوئے[2] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی تعریف کی تغلیط کی ہے کہ "وہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا" اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز واقعات"[3] کے ہو سکتے ہیں پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

"لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے"۔

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی

---

1. فہم انسانی باب ۴۔
2. ہکسلے کی کتاب "ہیوم" باب ۷ (متعلق معجزات)۔
3. ہکسلے انگریزی میں معجزہ کے لئے جو لفظ مستعمل ہے (مریکل) اس کے لفظی معنی بھی "حیرت انگیز" کے ہیں۔

خرق کا نام ہے اگر کسی معجزہ کا انکار کس حد سے کیا جا سکتا ہے لہٰذا اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کیا کرتا ہے۔"[1]

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلہ علل و اسباب و معلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبعیات پروفیسر ڈالبیر[2] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی بابت ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں درآنحالیکہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

فیصلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ "معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا" لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

(۱) قوانین فطرت عبارت ہیں قوانین عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بجز مشاہدات اشیاء کے تعدد معلوم نہیں بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا محض ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہٰذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذات خود ممکن و عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

## شہادت معجزات

### امکان وقوع کے لئے کافی نہیں:

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں۔ یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا مگر واقعہ ایسا نہیں۔ کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں (۱) ذاتی تجربہ و مشاہدہ یا (۲) نقل یعنی شہادت۔ ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی مثلاً

> آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آپ ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی تھا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے

---

[1] دیکھو ان کا ایک لیکچر بنام (The Miracle Of On Belief)

[2] دیکھو ان کی کتاب Matter, Ether, Motion (اردو ترجمہ)

آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلا کر اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلتا، پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو چشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین و تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا البتہ ہمارے لئے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

## ہیوم کا فتویٰ:

ہیوم کا روایات معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لئے انسانی شہادت کی کوئی کیت و کیفیت کافی نہیں ہو سکتی تاہم بعض خارق فطرت واقعات کے لئے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

"فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی۔ یہ بھی فرض کرو کہ اس خارق عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کی بھی روایت بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکما کا مسلک بجائے اس واقعہ کا یقین کرنے کے اس کی توجیہ اور اس کے علل و اسباب کی جستجو ہوگی۔ کائنات فطرت میں زوال و انحطاط و فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ یہ بہت وسیع متواتر اور متفق علیہ ہو۔[1]

## ہیوم کا تعصب:

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لئے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ "اس قسم کی شہادت خود اپنی مکذب ہے" یعنی "جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو وہ بحث و استدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے"۔ مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مختلف خرافات و قیاسات کے دام میں آجاتے ہیں لہٰذا مذہب کی طرف محض انتساب ہی معجزہ کے حیلہ و فریب ہونے

---

۱ دیکھو کتاب مذکور بیان امکان معجزات صفحہ ۱۲۸۔

۲ فہم انسانی باب ۱۰

میری انگلی جل گئی تھی۔ ان کا بڑا اچھا دوست کم از کم ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی ضرر نہ ہوا اسی طرح اور بھی کئی لوگوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔"

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلامتر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ و تشریح ہو سکتی ہو تو کریں۔ اس پر خود "ناظر" نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک کسی نے کیا توجیہ کی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ناظر نے پلامتر کے بیان کی تکذیب نہیں کی نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی اکثر پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلامتر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ محض توجیہ واقعات کی بناء پر ان کی تکذیب ضروری قرار دے دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کے اس واقعہ کو غلط سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیم کو آگ نے نہ جلایا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بناء پر تم ان کی نجات کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

## رویائے صادقہ:

رویا یا خواب کی حقیقت کی عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے۔ مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لئے جو جو نظریات فرض کئے گئے ہیں خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں، لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لئے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی بھی آدمی سے دریافت کرو اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیشین گوئی تھے، میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس نتیجہ کے لئے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر بالآخر یہ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے۔ ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵ اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ

"آج دوپہر کو سویا تو یہ خواب دیکھا کہ "خ" کا خط آیا ہے جس میں "س" کا بھی ایک خط ملفوف ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا۔ تعجب یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا حالانکہ مجھ کو "خ" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور "س" کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔"

پروفیسر ہیلپرکٹ اسیریا کی تاریخ کا ایک مشہور ماہر تھا اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک مشکل کو جو بیداری میں حل نہیں ہوا تھا خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آ کر

---

۱ [illegible]

جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے، کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا نا قابل تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے، کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے، کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے، کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلۂ علل لامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار، کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا، الغرض مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں[1] اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اس قدر مختلف ہندسات اس قدر مختلف منطقیں اس قدر مختلف طبعیاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔[2]

### مشاہدات کا یقین:

تم سمجھتے ہو گے کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی، باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں وہ تو بہرحال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمرو کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ "ناممکن" نہ صرف "ممکن" بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے دوسرے کو بدمزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے رنگ و بو، آواز، مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی، دوری و نزدیکی سے، لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے؟

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنس دان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنس دان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل ویسی ہی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں۔ (مادرن بلیف صفحہ ۵۹) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو، نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں اس لئے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ "مادہ کسی نامعلوم شے کا نام ہے" پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے بخلاف اس فلسفہ یا مابعد الطبعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار

1. ارادہ یقین Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر واکر صفحہ ۴۳۲ عنوان
2. The meaning of Truth ("معنی صداقت") ص ۵۸

## نفسیاتِ یقین:

البتہ بنیاد بحث کے لئے استشہاداً کسی معتبر شہادت کا ہاتھ لگنا ضروری ہے جس کے لئے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے ماہر نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ہو سکتا ہے اس لئے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب "اصول نفسیات" کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصول بلفظہٖ نقل کرتے ہیں۔

(۱) "معاملات (تدابیر عملی) کے بارے میں انسان کی قوت اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب (مثلاً جذباتی احوال) پر مبنی ہے حتی کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو گو ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہو پھر بھی قوت اعتقادی کی رو میں حائل نہیں ہو سکتی (خصوصاً عورتوں کے لئے) جس شے میں ہم کو بھی امید و شفا اور اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہذا جو دوا کسی کی حالت میں تجویز کی جائے وہ لازمی غیر مادہ کے لئے چونکہ دل کا لازمی مقصود ہے۔ حقیقت فوراً اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے آدمی اسی طرح کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لئے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا لہذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و خوف وغیرہ کے جذبات ہیں ان کے مقابلہ میں منطقی (استدلالی) دلائل دب جاتے ہیں" (صفحہ ۳۲۰-۳۲۱)

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ہے کہ

(۲) "سب سے زیادہ یقین آفریں وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تحصیل و ترتیب کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے عملی، ذہنی اور جذباتی اقتضاء یعنی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں"

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل شے جس مخصوص حصہ کی تشریح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ

(۳) "ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی عقل اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں" (صفحہ ۳۲۱)

## خواہش یقین:

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لئے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو۔ یقین ایک قسم کی تشنگی ہے، جب تک اس کی طلب و تشنگی نہ موجود ہو، یقین نہیں حاصل ہوتا، پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا مانع موجود نہ ہو مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے سبب اس کے مضر ہونے کا اندیشہ۔ اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ بھی کچھ ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کرتی ہے مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست نے بہت صفائی و نفاست کے ساتھ کورے صراحی میں ٹھنڈا پانی رکھا ہو اور اس نے آپ کی تواضع کے لئے گلاس آگے بڑھایا تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

حاضر ہوگا۔ لیکن اگر زید کے اندر وہ عقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش نفسانی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفاعت کے دلائل و شواہد کا انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے یا ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس محرومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔

ساحروں کے دل میں ذوقِ ایمان کی چھوٹی چھوٹی سی تڑپ موجود تھی، حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿آمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ لیکن کیا فرعون کے معاندانہ و متعصب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام، خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی حیاتِ طیبہ تمہارے سامنے ہے۔ "سیرۃ النبی" میں ابتدائی قبولِ اسلام کے صفحات پڑھو ہر سطر ذوقِ ایمان و طلبِ یقین کے مذکورہ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیاتِ یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے:

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی جستجو میں تھے انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص (آنحضرت ﷺ) جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان معلوماتِ یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلانِ اسلام کے لئے نہایت خطرناک موانع موجود تھے تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشنگی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ بیچ حرم کے اندر حضرت ابوذرؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہوگئی۔[1]

حضرت حمزہؓ کو آپ ﷺ سے خاص محبت تھی آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ ﷺ کی برادرانہ محبت کی نظر سے دیکھتے تھے دل میں نورِ حق موجود تھا بالآخر ان بے رحمانہ اذیتوں نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے تھے اظہارِ اسلام پر بے تاب کر دیا۔ اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتاً کیونکر چھوڑ دوں۔ تمام دن سوچتے رہے آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دینِ حق یہی ہے۔[2] موانعِ یقین موجود تھے لیکن "دینِ حق" کے قبول اور اس کے دلائل کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔

قیصرِ روم کے پاس جس وقت داعیِ اسلام ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ "مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا" لیکن قیصر نے ابوسفیان

1. یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے، دیکھو سیرۃ النبی [illegible]
2. یہ واقعہ [illegible]

بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) ایک بڑا سبب قریش کی خاندانی رقابت تھی قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے بنو ہاشم اور بنو امیہ۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا اخنس بن شریق تمام عمر کذاب تھا نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت وار گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں تمام عتابیاں ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

غرض اول تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان بھی ملتا یا اگر کسی میں خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیے جاتے اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

(۱) بذات خود یقین عام انسانی جذبات و احساسات کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے۔ فلسفہ و حکمت بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ذہنیت بھی نفسی میلانات سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

(۲) یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفسی خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و موجبات کا توازن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات، معتقدات اور موروثات و مفروضات (علوم متعارفہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین و قبول کے لئے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

محدود ہوتا ہے لیکن نبی کی اصلی اور روحانی قوت تاثیر کے لئے صرف باطنی ارادہ کافی ہو سکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہو سکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ تخیل یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

## بعض وسوسوں کا جواب:

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت بہر نوع حاصل ہے۔ معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر بجائے خود تعجب رکھتا ہو۔ ہاں ہمارا اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عامل تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی صفحات اوپر ہی گزر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصل خصائص نبوت، اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہ حد تک جمع ہوتے ہیں اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی موثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ﴿ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ۔ إِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ۔ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [1]

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود کی بجائے محض ایک ذہنی یا خیالی وہمی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب در اصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی مباحث کی آخری عدالت مرافعہ ہے مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو بھی

[1] [illegible]

ہوگا"۔ کفار قریش بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپ ﷺ کے تعاقب میں نکلے ہیں غار ثور جس میں آپ ﷺ چھپے ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ ﴿اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے) ایک موقع پر آپ ﷺ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ﷺ ہشیار ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ "اے محمد اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟" ایک پراطمینان صدا آئی کہ "اللہ"

کیا تشنگان ایمان کے لئے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا؟ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام پکار اٹھے کہ ﴿لَيْسَ هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ﴾ (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)۔

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خد و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا تاہم "سیرۃ النبی" کے گذشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو نا تمام مرقع کھنچ سکا ہے اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ کی اس "جامعیت کبریٰ" کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بے نوا بھی، فرمانروائے جہاں بھی ہو اور رہ نورد بیاباں بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریادل بھی، جس کی زبان ہر وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو، جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص زندیق کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ جواب یہ مل سکتا ہے کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بناء پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لئے "روئے و آواز پیمبر" ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے لیکن معنوی آواز قرآن اور حقیقی "روئے پیمبر" سیرت طیبہ ابد الآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لئے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔ ﷺ

# آیات و دلائل اور قرآن مجید

## انبیاء اور آیات و دلائل:

گذشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے وہ انسانی افکار و خیالات کی جہاں تک وسعت ہے اس کی تشریح ہے لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے اس لئے آیات و دلائل کی نسبت وحی الٰہی کی ہدایت میں ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے سوانح و حالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات و دلائل انبیاء کے سوانح کا ضروری جز ہیں خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت انہی دونوں انبیاء کی امتیں عرب میں موجود تھیں اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان میں سے تمام پیش حسب ذیل انبیاء کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں: حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت زکریا، حضرت یونس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے مثلاً حضرت اسحٰق، حضرت اسمٰعیل، ذوالکفل اور الیسع وغیرہ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل عطا نہیں ہوئی تھی۔ بخاری[1] اور صحیح مسلم[2] میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات ما مثله آمن علیه البشر﴾

ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔

البتہ انبیائے کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل انہی انبیاء کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا اور ضرورت بھی تھی کہ ان کے جحود و انکار کا ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے۔ باقی وہ انبیاء جو اپنی امتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کیونکہ ان کی امتوں نے ان کی دعوت کے مقابلہ میں جحود و انکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

## قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل:

قرآن مجید نے انبیاء کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

﴿فلما جاءهم موسی بآیاتنا بینات قالوا ما هذا الا سحر مفتری﴾ (قصص۔ ۴)

جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا یہ تو بس گھڑا ہوا جادو ہے۔

---

۱۔ کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم۔

۲۔ کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس و نسخ الملل بملتہ۔

﴿ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ ﴾ (اعراف-۱۶)

تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔

فرعون حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے۔

﴿ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴾

(اعراف-۱۳)

اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو پیش کرو اگر تم سچے ہو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً سانپ بن گئی۔

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ﴾ (انعام-۱۳)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

﴿ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ﴾ (عنکبوت-۵)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

کفار کہتے ہیں۔

﴿ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ﴾ (انبیاء-۱)

چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی آیت لائے جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے

حضرت صالحؑ اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں۔

﴿ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ﴾ (ہود-۶)

اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔

### لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت

آیت کے معنی "نشانی" اور "علامت" کے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و احساس کے جو ذرائع عطا کئے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو؟ صرف آیات و علامات سے۔ کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا وہ محض نشانوں کو دیکھ کر ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے، یہ سیب ہے، یہ انگور ہے، لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اسی طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں اور اب انہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے۔ ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے یہ عمرو ہے یہ احمد ہے یہ محمود ہے یہ گھر ہے یہ گھوڑا ہے مگر یہ تمام تشخیصیں آیات و علامات ہی کی مدد سے ہیں۔ اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات و علامات مٹا دی جائیں تو ہم کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات و علامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان و انسان اور عقلمند و بے وقوف میں فرق پیدا

کرتی ہے جس میں ان آیات وعلامات کی شناخت' تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا۔ ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات وعلامات کے اور کیا ہے؟ ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ انہی آیات وعلامات کی مدد سے کرتے ہیں' فلسفہ ہمارے تمام تر تجربے اور مشاہدہ سے بلکہ طبیعیات' کیمیات' نباتات' حیوانات' ریاضیات' ہندسیات' ارضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات وعلامات پر موقوف ہے۔ اگر اشیاء کی علامات و آیات کو گم کر دی جائیں تو نہ ہم کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے۔ ہم علت سے معلول پر اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ بھی آثار وعلامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں۔ اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ "یہ شے پیدا ہوگی ہے اس لئے اس کا فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا"۔ یہ علت سے معلول پر استدلال ہے اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ "فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے اس لئے وہ شے بھی ہے"۔ یہ معلول سے علت پر استدلال ہے۔ کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد میدان میں پہنچ جاتے ہیں وہاں ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے۔ ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا شخص پڑا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں مرہم پٹی ٹھیک ہے اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان قرینے سے رکھے ہوئے ہیں ہم نے گو اس کے تیمار دار کو نہیں دیکھا مگر آس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیمار دار ہے جو وہ نہایت محبت و مہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ایک شخص آ کر کہتا ہے "میں طبیب ہوں" اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں۔ اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ یہی ہمارا فن استدلال ہے اور اسی پر ہمارے تمام حصول علم کی بنیاد ہے۔

## آیات اللہ:

قرآن مجید میں آیت کا لفظ اس معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصا بھی نہیں کر سکتے صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی۔

﴿ إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾ (جاثیہ۔ ۱)

آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپائے پھیلے ہیں ان میں ان کے لئے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں، اور رات دن کے الٹ پھیر اور آسمان سے خدا جو روزی برساتا ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور ہواؤں کے پھیرنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ خدا کی آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کے ساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ (بقرہ۔۲۰)

بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور خدا آسمان سے جو پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْا إِلٰى ثَمَرِهٖ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ إِنَّ فِي ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (انعام۔۱۲)

اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشوونما کو ظاہر کیا پھر اس سے سبزہ پیدا کیا جس سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں اور کھجوروں کے خوشے نیچے جھکے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو اور زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو ان چیزوں میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴾ (یونس۔۷)

اس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو اس نے روشن بنایا اور اس میں ان کے لئے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقہ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادہ الٰہی ہے۔

## آیات و دلائل کی دو قسمیں ظاہری اور باطنی:

تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی' ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں مثلاً مردہ کو زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا' انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا' بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ۔ باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعی نبوت کی صداقت' معصومیت' تزکیہ' تاثیر تعلیم' ہدایت' ارشاد و فلاح اور تائید ہے۔ اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لئے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں باقی ظاہری نشانیاں صرف کج اور ظاہر بین نگاہوں کے لئے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

## نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں:

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی ان ہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرتا ہے کہ عہد نبوی میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے چنانچہ ان لوگوں کو بھی پھر وہ جنہوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی، اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنہوں نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہیں کی مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے جو کہ عرب میں علامات الٰہی کا ماہر ان کوئی اور نہ تھا سینکڑوں یہودی علماء نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کے امتحانات لئے، تجربات کئے مگر ان کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہی کہ وہ آپ ﷺ کے اخلاق کی آزمائشیں کرتے تھے، مختلف انبیائے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ ﷺ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے ان میں سے کسی نے آ کر آپ ﷺ سے خارق عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں۔ آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں تورات اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا اس کی صفت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ تورات میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ "وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا' اس کے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی، وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا، اور بدکاروں کو جنگلی سرو کے مانند ہلاک کرے گا، وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا، بت پرست قوم (عرب) میں پیدا ہوگا"۔ انجیل نے بتایا تھا کہ "وہ تسلی کی روح ہوگا، وہ مسیح کی ناکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا، خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی"۔

سینکڑوں یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ کی نبوت کا امتحان لیا مگر امتحان کے

پوچھی گئی۔ مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کا جواب دیا ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ (کہف) اور ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ (بنی اسرائیل)۔ پہلے سوال میں "ذوالقرنین" کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں "روح" کی حقیقت دریافت کی گئی ہے ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں مگر ان میں سے ایک میں بھی یہ نہیں کہ ہم آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خرق عادت تماشا دکھاؤ بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جن کو پیغمبر کے علم و فضل یا تعلیم و تزکیہ سے تعلق تھا۔ آگے چل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیئے ہیں ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ قرآن مجید میں ان کا ایک سوال جو شبہ پیدا کرتا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ سے کسی مادی معجزہ کی فرمائش کرتے تھے وہ یہ ہے۔

﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ (نساء۔۲۲)

اہل کتاب تجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کتاب اتارے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی معجزہ طلبی نہ تھی بلکہ چونکہ تورات کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوحیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰ کو دی تھیں اس لئے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لئے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے۔ اب اس عہد کے عیسائیوں کو لو۔ قیصر روم کے دربار میں جب قاصد نبوی پہنچا تو ابوسفیان کو (جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے) بلا کر قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق جو سوالات کئے وہ حسب ذیل ہیں۔

قیصر۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ شریف ہے۔

قیصر۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا تجربہ ہے؟

ابوسفیان۔ ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟

قیصر۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

| | |
|---|---|
| ابوسفیان۔ | ہاں۔ |
| قیصر۔ | نتیجہ کیا رہا؟ |
| ابوسفیان۔ | کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔ |
| قیصر۔ | وہ کیا سکھاتا ہے؟ |
| ابوسفیان۔ | کہتا ہے ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔ |

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز، تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو وہ سچا پیغمبر ہے"۔

باوجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات و جوابات یہاں نقل کر دیئے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی علامات سے متعلق ہیں، ان میں ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادات ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہئے تھا۔

حضرت جعفرؓ نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ "ایھا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس دنیا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم ان پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام برے اعمال سے باز آ گئے"۔[1]

نجران کے عیسائی علماء جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن کی آیتیں سنیں، مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مباہلہ کرنا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا، درپردہ باہم کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے بالآخر سالانہ خراج پر صلح کر لی، دیکھو جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲۔

دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

سب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ان میں سے جن لوگوں نے ابتدا میں تصدیق کی جن کے فضل و کمال، عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر ان کے عزت و وقعت کا مدار ہے مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو معنوی علامات کو دیکھنے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار ہوا ہو۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں چنانچہ آغاز وحی میں آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ ﷺ نے تقاضائے بشریت ان سے اپنے خوف جان کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

﴿ واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق ﴾ (بخاری باب الوحی)

اللہ کی قسم خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ وادی میں اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذرؓ سے جا کر کہا۔

﴿ رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق و کلاما ما ھو بالشعر ﴾ (مسلم مناقب ابی ذر)

میں نے اس کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے سیرۃ نبوی ﷺ کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

## قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات:

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں۔

﴿ یا اہل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفوا عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین یہدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم ویخرجہم من الظلمت الی النور باذنہ ویہدیہم الی صراط مستقیم ﴾ (مائدہ)

اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی ان باتوں کو جو تم چھپاتے ہو صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی (قرآن) آ چکی جس کے ذریعہ سے اللہ ان کو جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے وہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔

﴿ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (جمعہ)

تو ان امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

﴿ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آل عمران۔۱۷)

جو انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

﴿ اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ (اعراف۔۱۹)

اس امی رسول و نبی اور پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور (رسم و رواج) کے جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ، وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (احزاب۔۶)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ اور (نیکوکاروں کو) خوشخبری سنانے والا اور (بدکاروں) کو ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے زنگ آلود نفوس اور میلے کار قلوب کو جلا دیتا ہے لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدۂ عالم میں ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔ قریش آنحضرت ﷺ سے معجزوں کے طالب ہوتے ہیں ان کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ، اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴾ (بقرہ۔۱۴)

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا ان کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں (اے محمد!) ہم نے تجھ کو سچائی کے ساتھ (نیکوکاروں کو) خوشخبری سنانے والا اور (بدکاروں کو) ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور جن کو اب بھی یہ نشانیاں ہادی نہ ہوں ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی پوچھتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سراپا وجود ہے اور اہل یقین کے لئے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کردی گئی ہیں اس کی قوت نے کافروں کو تسخیر کیا ستاروں بیگانوں کو دوست بنایا اور دشمنوں کو مسخر کرتا اور اس سے انقلاب انسانی اور عالم روحانی کا ظہور یہ خود اس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ﴾ (عنکبوت-۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

یعنی خود پیام محمدی اور پیغام ربانی خود نشانی ہے اور اہل بصیرت کے لیے یہی معجزہ ہے۔

﴿ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ (شعراء-۱۱)

کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس کو جانتے ہیں۔

یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ ایک امی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں۔ کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علماء اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ ﴾ (طہ-۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا ان کو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی؟ اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

یعنی گذشتہ انبیاءؑ کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں پیغمبر اسلامؐ کا ان کا مصداق ہونا بھی سب سے بڑی نشانی ہے۔ اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفار جو یہ کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ، معجزے تو انہیں دکھائے جا چکے کیا ان کو معلوم نہیں کہ گذشتہ قوموں نے معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا۔ کفار کا سوال تھا کہ

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ﴾ (رعد-۱)

اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا

﴿ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (رعد-۱)

(اے محمد!) تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گذرا ہے۔

مقصود یہ کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں بلکہ انذار و ہدایت ہے۔

## ظاہری آیات اور نشانات:

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاءؑ ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں تمام انبیائے کرامؑ کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی آثار کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے قرآن مجید نے اکثر انبیاءؑ کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی و ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں۔ یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ ﷺ کی طرف سے یہ الفاظ کہے۔

﴿ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴾ (بنی اسرائیل-۱۰)

میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔

## ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں:

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادات معجزات صرف وہ فریق طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب ہمیشہ منکروں نے کی ہے حضرت موسیٰؑ کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا۔ آنحضرت ﷺ سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا۔ یہی حال دوسرے انبیاءؑ کا بھی ہے قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ﴾ (بقرہ-۱۴)

اور جن کو (کتاب الٰہی) کا علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ ﴾ (انعام-۴)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ ﴾ (رعد-۱)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ ﴾ (طہ-۸)

اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

## کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں:

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا، اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لئے اصرار کیوں کرتے؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے۔ ان کو نفس معجزہ دکھانے پر بھی بلکہ ان کی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ معاندے طلب معجزہ پر مصر ہیں چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور ان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے ان کی تسلی نہ ہوگی ان کو چاہئے کہ نبوت کے اصلی آیات و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادت مند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ (بقرہ-۱۴)

اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت نہیں آتی ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہو گئے ہیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر دکھا دی ہیں اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے دوزخیوں کی نسبت تجھ سے باز پرس نہ ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر دکھا چکے ہیں لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں ان کا علاج صرف دوزخ ہے دوسری آیت میں ہے۔

﴿وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ﴾ (طہ-۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔ کیا ان کے پاس گذشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی؟ اگر ہم ان سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گذشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو پچھلی کتابوں میں مذکور ہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھو دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا جنہوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

معجزات تو بہرحال کسی خاص آن، زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ سلسلہ شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشاگر کی حیثیت اختیار کر لے اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مستقل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ﴾ (عنکبوت ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔ میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ کیا یہ ان کو کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے

## معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔

نفسیات انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی کی طرف سے اس کے جذبات مخالف ہوتے ہیں تو وہ اس کی کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے۔ عقل سے عقل اور واضح سے واضح برہان بھی ان کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے۔ معاندین جو انبیاءؑ کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی کمالات کو باور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کو سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر مکابرہ کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان بھی ایسی عجیب و غریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے وہ بھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسوائی علانیہ آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر ان کے سامنے معجزات اور خوارق عادت بھی پیش کر دیتی ہے تو بھی ان کی یہ کج بحثی معاندانہ روح ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی انہیں یہ سکھاتی ہے کہ گو اس خارق عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کرشمہ نہیں بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اس لئے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو متعدد معجزے دکھائے مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سننا پڑا کہ تم جادوگر ہو۔

﴿ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ (نمل ۱)

یہ تو کھلا جادو ہے۔

﴿ إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ ﴾ (طہ ۳)

یہ موسیٰؑ اور ہارونؑ یقیناً جادوگر ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰؑ کی پیغمبری پر ایمان لائے مگر فرعون یہی کہتا رہا۔

﴿ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (طہ ۳)

یہ موسیٰؑ تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر

معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہ باقی رہ جاتی تھی چنانچہ توراۃ میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد یہ مذکور ہے "لیکن فرعون کا دل سخت رہا اور اس نے ان کی نہ سنی"[1] انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور دوسری کہتی تھی کہ "یسوع کے ساتھ شیطان رہتا ہے تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا اور بہتوں نے ان میں سے کہا کہ اس کے ساتھ ایک دیو رہتا ہے اور وہ مجنون ہے، تم اس کی کیوں سنتے ہو؟ اوروں نے کہا یہ باتیں اس کی نہیں جس میں دیو ہے؟ کیا دیو اندھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے؟"[2] ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک گونگے کو اچھا کیا لوگ حیرت زدہ ہو گئے لیکن فریسی یہودیوں نے کہا "یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے"۔[3] حضرت عیسیٰؑ نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا "تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام ہے) کی مدد سے نکالتا ہوں"۔[4] حضرت عیسیٰؑ نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ "تم معجزات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے"۔

"یسوع (مسیح) نے یہ باتیں کہیں اور جا کے ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپا رہا اور اگرچہ اس نے ان کے روبرو اتنے معجزے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے"[5] "تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی تھی۔"[6]

کفار قریش آنحضرت ﷺ سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے[7] عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپ ﷺ کو کاہن کا خطاب دیا تھا اس لئے قرآن مجید نے کہا۔

﴿فما انت بنعمة ربك بكاهن﴾ (طور۔۱)

اے پیغمبر تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

﴿ولا بقول كاهن﴾ (حاقہ۔۲)

اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے اور ان کو جادو کا اثر کہتے تھے۔

---

[1] توراۃ کتاب الخروج۔

[2] یوحنا کی انجیل باب ۲۰، ۱۹۔

[3] متی کی انجیل باب ۹۔ ۳۴

[4] لوقا کی انجیل ۱۱۔۱۸

[5] یوحنا کی انجیل ۱۲۔۳۷

[6] متی کی انجیل ۱۱۔۲۰

[7] صحیح مسلم مناقب ابی ذر۔

﴿ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾ (مدثر۔۱)

پھر پیٹھ کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔

کفار ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) کے پاس تم جایا کرو کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں۔

﴿هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ﴾ (انبیاء۔۱)

یہ محمد تو تمہاری ہی طرح آدمی ہیں کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔

﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (احقاف۔۱)

حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کفار نے اس کو بھی جادو کہا۔

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (قمر۔۱)

نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

دوسرے معجزات دیکھ کر وہ بھی کہتے رہے کہ محمد (ﷺ) تو جادوگر ہے۔

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ﴾ (یونس۔۱)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک پر وحی اتاری کہ لوگوں کو ڈرا اور ایمان لانے والوں کو بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی درگاہ میں ان کی بڑی پایہ ہے تو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔

## معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی:

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی توفیق نہیں ہوتی اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں اس لئے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی۔ وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں کبھی فریب اور قوت شیطانی کا ان کو وہم ہوتا ہے اس لئے معجزات سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ حجت کے لئے ایک دفعہ معجزہ ان کو دکھایا گیا مگر ان کا شبہ رفع نہیں ہوا پھر معجزہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کی تسلی نہ ہوگی چنانچہ سورۂ انعام کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراتب کو بیان کردیا ہے۔

﴿وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ (انعام۔۱)

اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی ان کے پاس جب آتی تھی یہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (انعام۔۱)

اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر کوئی کتاب بھی آسمان سے اتاریں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہو اور یہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تو بھی کافر یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک صاف جادو ہے۔

﴿ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴾ (انعام-۳)

اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۔ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۔ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ﴾ (انعام-۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ کہہ دے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی جاتی اور بات پوری ہو جاتی اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہ ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جو اب پیدا کر رہے ہیں۔

﴿ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴾ (انعام-۱۴)

اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز ان کے سامنے لا کھڑی کرتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

آنحضرت ﷺ کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ سارے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت کا انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اس لئے انکار ہے کہ ان کو اولاً خود خدا پر یقین نہیں۔ یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں۔ ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں ان کے لئے تمہارے غم بیکار ہیں۔ یہ سعادت انہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں اور حق کی باتوں کو سنتے ہیں۔

﴿ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ ۔ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۔ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (انعام-۴)

ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے۔ تجھ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور اذیتیں اٹھائیں یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں گذشتہ پیغمبروں کے واقعات تجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کافروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں

## بایں ہمہ انبیاءؑ معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں:

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہو سکتا ہے کہ اگر انکو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو وہ شاید ایمان لے آئیں لیکن تمام انبیاءؑ کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا انہوں نے معجزات دیکھے پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے قرآن مجید میں ہے۔

﴿فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ۝ وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ﴾ (زخرف۔۵)

جب موسیٰؑ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے ان کو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں اور انہوں نے موسیٰؑ سے کہا اے جادوگر اپنے خدا سے ہمارے لئے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے، ہم راہ راست قبول کر لیتے ہیں جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے۔ یہ حکایت حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے جو زمانہ ماضی کا ایک واقعہ تھا جس کو تمام تر صیغۂ ماضی سے ادا ہونا چاہئے تھا لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغۂ مضارع کا استعمال کیا ہے جو واقعہ حال و مستقبل کے بیان کے لئے مقرر ہے۔

۱۔ ”جب موسیٰؑ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں“۔

۲۔ ”اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے“۔

۳۔ ”پہلے انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر موسیٰؑ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں“۔

اس موقع پر صیغۂ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گو یہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰؑ ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کر ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندۂ تحقیر بلند کرتے ہیں لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھا دی گئی تو ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھا دی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالحؑ کی امت نے حضرت صالحؑ سے ایک نشانی طلب کی انہوں نے کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنوئیں کا تمام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا لیکن اس نشانی

"تب فریسی نکلے اور اس سے [حضرت عیسیٰ سے] بحث کر کے اس کے امتحان کے لئے کوئی آسمان سے نشان چاہا"۔ (مرقس ۸-۱۱)

حضرت عیسیٰ نے آہ سرد بھر کر فرمایا:

"اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں میں تم سے کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔ (مرقس ۸-۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ نے ایک گونگے کو اچھا کیا بعضوں نے کہا کہ

"یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لئے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا"۔ (لوقا ۱۱-۲۹)

حضرت عیسیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

"اس زمانہ کے لوگ برے ہیں وہ نشان ڈھونڈتے ہیں پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا مگر یونس نبی کا نشان"۔ (لوقا ۱۱-۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا۔

﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ (بنی اسرائیل ۶)

اور ہم کو نشانات کے بھیجنے سے صرف اس امر نے منع کر رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی کے معاندین نے کہا

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (رعد ۲)

محمد پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصلی حقیقت انذار، تبشیر اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا۔ عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ "محمد" نے معجزے دکھانے سے اس لئے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا۔ اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان کا کیا مطلب ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰ کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا؟

## معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب:

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے اس بنا پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنا پر باوجود قدرت اور اشد ضرورت کے معجزات سے گریز اور انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوئی ہے قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جا سکتا ہے۔

(۱) معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بلاواسطہ ہوتا ہے

ڈالے بیٹھے ہیں ان میں انبیاء کے کلام و تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے صرف معجزات کی قوت ہی ان کو تسلیم اور بیعت
کرا دیتی ہے حالانکہ انبیاء کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت
کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے واقف و شناسا ہوں۔

یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور "انشراح قلب" سے تعبیر کیا ہے۔

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ (انعام ـ ۱۲۵)

جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے لئے تو قریب و بعید آسمان و زمین دن اور
رات غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر برابر دلالت کرتا ہے
ان کے لئے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی گروہ ہے جس پر زیادہ تر انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی
ہے اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں اس گروہ کے بالمقابل ایک گروہ بالکل بلید اور غبی ہوتا ہے جس پر نظام
فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا۔ انبیاءؑ کو ابتدائے بعثت سے ان ہی دو
گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرتاً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا
اس لئے ان دونوں گروہوں کے لئے معجزات بیکار ہوتے ہیں اور اسی بناء پر انبیاءؑ ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں
اسی نکتہ کو خدا تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (یونس ـ ۱۰)

کہہ دے کہ دیکھو آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں اور نشانیاں اور ڈرانے والے اس قوم کے لئے کچھ بھی مفید نہیں جو
ایمان نہیں لاتی۔

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ
مَنْ أَنَابَ﴾ (رعد ـ ۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترا کہہ دے خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس
کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے۔

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بارے میں عقل قوت انسانی کے دسترس و
بازو سے باہر ہو سکتی تھی مثلاً خدا کا انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی
مجسم کتاب اترنا، یا زندگی کی حالت میں پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کئے جاتے
ہیں تو انبیاءؑ ان کا بھیجنا انکار کر دیتے ہیں اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے۔

﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَٰلِكَ
فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ (نساء ـ ۲۲)

تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا

سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کھلم کھلا دکھا دو۔ اس ظلم کا جو انھوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلی کی کڑک نے ان کو دبا لیا۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ﴾ (بقرہ-۱۴)

وہ جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتیں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں آتی اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا تھا ان کے دل ایک سے ہیں۔

﴿ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ﴾ (حجر-۱)

کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتر پڑے تو پھر ان کو مہلت نہ دی جا سکے گی۔

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت جاہ اور مال و اسباب ہوتے ہیں عام لوگ اخلاق و عادات، تمدن و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امراء کی تقلید کرتے ہیں لیکن انبیاء ہمیشہ اپنی معاشرت اپنی وضع اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی بناء پر جب منکرین انبیاء سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امراء کے ساتھ مخصوص ہیں تو انبیاء کو صاف ان کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

﴿ وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴾ (فرقان-۱)

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے وہ کھاتا اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

(۴) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبہ بشریت سے بالاتر ہونا چاہئے اور اس کو بے انتہا خدائی قدرت حاصل ہونی چاہئے اسی بناء پر جب اس قسم کے معجزے طلب کئے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں۔

﴿ قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ﴾ (انعام-۵)

اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (حج-۲)

بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (بقرہ-۳۳)

لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (مائدہ-۱)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (حج-۲)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان آیات کے علاوہ حسب ذیل آیت قرآن مجید میں کم و بیش تغیر کے ساتھ آٹھ مقامات پر مذکور ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت، مشیت اور ارادہ ہے اور اسی لئے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط و تفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور و تدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص و طبائع اور عقلی مصالح و حکم کا انکار کیا ہے۔

## قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے:

حالانکہ ان آیات بالا کی بنا پر یہ دعویٰ کہ قرآن اسباب و علل اور مصالح و حکم کا منکر ہے کتاب الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے قرآن مجید نے جابجا مخلوقات الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے اگر یہ محض قدرت اسباب و مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی قرآن ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار و حکم پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی کارساز و علیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے اگر یہ چیزیں اسباب و مصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور و فکر کرنا بیکار ہوتا۔ قرآن نے آسمان و زمین چاند سورج ہوا بادل پھول پھل جسم و جان ان میں سے ہر شے کو اپنی وسیع قدرت اور دقیق صنعت کا نشان و مظہر بتایا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے۔

﴿ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ (آل عمران-۲۰)

آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے ہیر پھیر میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو خدا کو کھڑے بیٹھے

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا رکھا ہے، اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا، پھر سورج کو سایہ کا رہنما بنایا، پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔ اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو تمہارے جینے کے لیے بنایا، اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری سنانے والا بنایا اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیں اور چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔

قرآن مجید نے اشیاء کے اسباب و علل ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے، مثلاً جا بجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے۔

﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ﴾ (بقرہ۔ ۳)

اور آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے۔

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں۔

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ﴾ (نور۔ ۶)

اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (انبیاء۔ ۳)

اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا۔

ہر قسم کے نباتات پانی سے اگتے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (انعام۔ ۱۲)

اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی روئیدگی نکالی۔

باد صرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے۔

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ﴾ (حم سجدہ۔ ۲)

ہم نے عاد کی قوم پر باد صرصر بھیجا نحوس دنوں میں تا کہ ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں۔

﴿رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ (احقاف۔ ۳)

ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر رہی ہے۔

﴿إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۔ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ﴾ (الذاریات۔ ۲)

یاد کرو جب ہم نے [illegible] سکھانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گذرتی تھی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی۔

آگ جلاتی ہے۔

﴿تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ﴾ (مومنون)

آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے۔

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے۔

﴿ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ﴾ (یٰس-۵)

جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں۔ شراب میں بھی خواص ہیں۔

﴿ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (بقرہ-۲۷)

کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

﴿ فِیْهَا دِفْءٌ ﴾ (نحل)

جانوروں کے اون میں خوشگوار گرمی ہے۔

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ ﴾ (نحل-۲)

وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے اس سے پیتا ہے اور اس سے درخت ہیں۔

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے۔

﴿ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ (نحل-۸)

شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔

## لیکن علت حقیقی قدرت ومشیت ہے

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسباب وعلل مصالح وحکم اور طبائع وخواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت ومشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب وعلل اور طبائع وخواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع وخواص ہیں لیکن یہ اسباب وعلل اور طبائع وخواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند رہتا ہے لیکن وہ اس در بیان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کرسکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم وارادہ سے بھی وہ ان کو معطل نہ کرسکتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتا ہے اس لئے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب وعلل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے تا کہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت وارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب و علل اور طبائع و خواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں، غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مسببات کے اسباب و علل اور اشیاء کے طبائع و خواص خود اس نے اپنی مشیت و ارادہ اور اپنے حکم و امر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل و اسباب اور طبائع و خواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار کر کے جیسا کہ ملحد یا اسباب و خواص کو مستقلاً شریک ٹھہرا کر گرفتار شرک نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے یہاں تک کہ انبیائے کرام اور بزرگان خاص کو بھی عادت جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور تعجب ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر دفع کیا ہے۔ حضرت سارہؑ کو بڑھاپے میں جب حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا انہوں نے کہا۔

﴿ يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ (ہود)

اے خرابی! کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

فرشتوں نے جواب میں کہا۔

﴿ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (ہود)

اے سارہ کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو۔

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لئے کافی تھی۔

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے موثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو مقتضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی۔

﴿ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴾ (مریم)

اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا؟ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں۔

خدا نے اس جواب میں صرف اسی قدر فرمایا۔

﴿ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـــًٔا ﴾ (مریم)

کہا یوں ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے مجھ پر آسان ہے (زکریا تم خود دیکھو نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل و اسباب کے خلاف ہونے

پر حیرت ظاہر کی۔

﴿قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ (مریم۔۲۰)

مریمؑ نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھ کو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔

فرشتہ نے جواب میں کہا۔

﴿قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ (مریم۔۲۱)

یونہی ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت۔

## قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم:

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں "سنت الٰہی" کے عدم تبدیل کا ذکر ہے، درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے۔ قرآن مجید میں "سنت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ ہم کو خیر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے سودمند نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گڑگڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی، دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی، وہ اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں تا کہ منکرین کو تشفی ہو۔ قریش دعوت حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾ (بنی اسرائیل۔۸)

اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے گھبرانے لگے تھے تاکہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہوتا تو وہ تیرے بعد کم ٹھہرنے پاتے۔ یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اللہ کے دستور کو ٹلتا نہ پائے گا۔

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ خدا فرماتا ہے۔

﴿أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (احزاب۔۸)

وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے دستور چلا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے

دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سورۂ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون آیت ہو سکتی ہے

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (فاطر۔۵)

اور بری کا داؤں تو داؤں چلنے والوں کو الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ لوگ قوموں کے دستور کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤ گے، کیا وہ ملک میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا۔

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (فتح۔۳)

اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہی پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کسی کو غلطی ہو سکتی ہے؟

## قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم:

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کر دیتا ہے۔

﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (روم۔۴)

خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے، قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود واضح ہو جاتا ہے خدا فرماتا ہے۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (روم۔۴)

سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھو وہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے اللہ کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

﴿ما من مولود يولد إلا على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كما تنتج البهيمة

جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول فطرة الله التي فطر الناس عليها (بخاری کتاب ... ج ۱)

کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی ہوتا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "خدائی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا" اور اخیر تک پڑھی۔

## معجزہ کا سبب صرف ارادۂ الٰہی ہے:

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب و علل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو بھی مانتا اور اس کا کامل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے۔ معجزہ کا سبب اور علت بلاواسطہ اسی کی مشیت اور ارادہ ہے۔ کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً قوم نوح کے لئے طوفان آنا، قوم ہود کے لئے کوہ آتش فشاں کا پھٹنا یا زلزلہ آنا، حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا، قوم صالح کے لئے آندھی آنا، مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوۂ خندق میں آندھی چلنا، یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست، نیکوکاروں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ ارادہ و مشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لئے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا، اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علوم و اسباب و علل کی بنا پر نہیں کی جا سکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے اس لئے ان کی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی اس لئے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ ظاہری علل و اسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے درمیان رابطہ و علاقہ کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں؟ کفار ان کو دیکھ کر فوراً کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے اس سے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے؟

## معجزہ کے باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں:

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارق عادت ہوں چنانچہ

(۱) کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ۔

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خارق عادت نہیں ہوتا مگر اس کا اس موقع خاص پر رونما ہونا خرق عادت بن جاتا ہے مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرت تعداد کے بے یار و مددگار اہل حق سے خوف کھانا وغیرہ تمام آیات الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادات جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے مثلاً انبیاء کی دعاؤں سے پانی کا برسنا' بیمار کا اچھا ہونا' آفتوں کا ٹل جانا' کہ نہ تو پانی کا برسنا' بیمار کا اچھا ہو جانا' یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا' خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے لیکن جس طریقے سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں۔ استجابت دعا اسی قسم میں داخل ہے۔

(۳) کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے بلکہ اس کا قبل از وقت علم خارق عادت ہوتا ہے' مثلاً انبیاء' کی پیشین گوئیاں' ایک دفعہ زور سے آندھی چلی آنحضرت ﷺ مدینہ سے باہر تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مر گیا۔ اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرق عادت ہے نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مر جانا خلاف اسباب ہے بلکہ صرف واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

## اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں:

انبیاء' کی زندگی علم وعمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات وتعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم ویقین پر پڑتا ہے ان سے کوئی عملی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ ہاتھ کا چمک اٹھنا' عصا کا سانپ بن جانا' چاند کا شق ہو جانا' اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن ان کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا لیکن انبیاء کے بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا وہ ان کے لئے حیات بخش ثابت ہوا۔ پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت' برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم ویقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصرت الٰہی کہا ہے۔ پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرت الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیاء' صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقائد کا انکار کیا جاتا ہے اور انہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے اس لئے اول اول انبیاء' سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم ویقین پر پڑ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کے دو معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیاء' کی تعلیم وہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مفلوک الحال' خانہ بدوش' بے سروسامان اور بے یارو مددگار ہوتا ہے یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن اور خلوص نیت اور شدت ایمان کی بناء پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلب گار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اس کی حفاظت اور حمایت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب وسوال کے ہوتا ہے مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور انہی کے درمیان ہوا بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے غزوہ بدر وحنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا'

تھوڑے سے زادِ راہ کا تمام فوج کے لئے کافی ہونا، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا ابلنا، یہ اسی قسم کے بہت سے معجزات و واقعات ہیں کہ نصرت میں آپ ﷺ سے ظہور پذیر ہوئے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام معنوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصرت (مدد) اور تائید ہے۔ اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے اور یعنی اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں اور تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا دفعۃً نصرت الٰہیہ حق کے طرف، گردوپیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے۔

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ (بقرہ۔۲۶)

کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت گذری نہیں جو تم سے پہلوں پر گذری، ان پر مصیبت اور تکلیف آئی اور اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ پیغمبر اور ان کے ساتھ مسلمان (گھبرا کر) کہہ اٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے؟ ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ (یوسف۔۱۲)

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول، اور خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا، ہماری نصرت آ گئی، پھر ہم نے جن کو چاہا وہ بچا دیئے گئے اور پھیری نہیں جاتی ہماری آفت گنہگار قوم سے۔

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (روم)

اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی تھی۔ بدر ہو کہ احزاب، خندق ہو کہ حنین، ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ﴾ (توبہ۔۳)

خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی۔

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی جب تین سو بے سروسامان مجاہدوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دے دی۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران۔۱۳)

اور خدا نے بیشک بدر میں تمہاری مدد کی جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی۔

لیکن عام معجزات اور نصرت الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف انبیاء کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں یعنی ان کا یہ ظاہری سبب ہوتا ہے ارادۂ الٰہی کے ظہور کا، لیکن نصرت الٰہی میں

پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمالِ ایمان، شدتِ یقین، تزکیۂ نفس اور استصفائے قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی امت نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزولِ مائدہ (خوانِ آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (مائدہ۔۱۵)

یاد کرو جب حواریوں نے کہا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے عیسیٰ نے کہا خدا سے تقویٰ کرو اگر تم کو یقین ہے۔

میدانِ جنگ میں آنحضرت ﷺ صحابہ کو نزولِ ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ (آل عمران۔۱۳)

یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقویٰ کرو اور وہ فوراً آ جائیں تو خدا پانچ ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے۔

## کفار کے لئے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں:

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں۔ آیتِ ہدایت اور آیتِ ہلاک۔ انبیاء کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزاء ہوتے ہیں وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے جب مادۂ فاسدہ کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیتِ ہلاک آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور سطحِ خاک کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے مگر وہ اس لئے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے جب ایک مدت کے بعد اہلِ مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰؑ کو شقِ بحر کی آیتِ ہلاک عنایت ہوئی اور سمندر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے سر و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نگل گئیں۔ حضرت نوحؑ کو آیتِ طوفان، حضرت صالحؑ کو آیتِ ناقہ، حضرت لوطؑ کو بربادیِ سدوم کی نشانی، حضرت شعیبؑ کو آیتِ صاعقہ، حضرت عیسیٰؑ کو آیتِ رفع اور آنحضرت ﷺ کو معرکۂ بطشۂ کبریٰ (بدر) کا معجزہ دیا گیا تھا وہ اسی دوسری قسم

قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہولیتی اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا۔ حضرت نوحؑ جب تک کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہولئے طوفان نہ آیا۔ حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے ان پر عذاب نہ آیا، اسی طرح حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے ہجرت کرلی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مومنین کو نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے جیسا کہ اس سے پہلے قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالے سے اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (یونس-۱۰)

کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعۂ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں کہہ دے کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔

## آنحضرت ﷺ اور معجزۂ ہدایت:

ہدایت کی غرض سے آنحضرت ﷺ سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہی تھیں ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوت تاثیر، استجابت دعا، تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا۔ اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپ ﷺ کے پاس جانے سے روکتے تھے سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اسی باطنی اعتراف کا آئینہ ہے۔

﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (حم سجدہ)

اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور و غل کرو شاید تم غالب آ جاؤ۔

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ رکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ کی استجابت دعا کا بھی کفار کو پورا یقین تھا ایک دفعہ صحن حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوتے اور آپ ﷺ نے ان پر بددعا کی تو بخاری و مسلم میں یہ تصریح ہے کہ وہ اس کو سن کر کانپ[1] اٹھے۔ ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپ ﷺ کے پاس آکر کہا کہ "محمد تمہاری قوم ہلاک ہوگئی خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ان سے دور کرے۔"[2] چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو

---

1. صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب [illegible] ﷺ ۔
2. صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان۔

کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت ضروری ہے، وہی غرض ختم ہو جاتی تھی وہ قریش کے حق میں جاری ہوئی۔

گزشتہ دستور الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لئے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

(۱) مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شہر مکہ سے ہجرت۔

(۲) ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤساء اسلام نہ لائے تو آنحضرت ﷺ کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا۔ صحابہؓ میں اسرار نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ مستدرک حاکم (جلد ۲ ص ۷) اور مسند ابن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا انا للہ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکالا، اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے چنانچہ ﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ﴾ والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔ [1]

## آنحضرت ﷺ اور معجزہ ہلاکت:

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں قریش کو تقریباً ۱۳ برس تک دعوت دی اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیات ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے۔ بالآخر شق قمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آ گیا جو اپنے پیغمبروں کے ساتھ دوسری قوموں پر آ چکا تھا یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالح جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤساء قریش رہ گئے جو قبول حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعفاء تھے جو ان رؤساء کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لئے ضرورت ہوئی کہ ان رؤساء کے وجود سے ارض حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہیں تھا۔ بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ ﷺ کو پتھر مارے یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے۔ آپ ﷺ طائف سے واپس آ رہے تھے کہ فرشتہ جبال نے آپ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو کچل کر چور کر دیا جائے۔ رحمت عالم ﷺ اب بھی مایوس نہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ ہلاکت ظاہر نہ ہو شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! احد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا تھا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "وہ دن جب میں نے طائف کے سردار عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا۔ میں مغموم واپس آ رہا تھا کہ فرشتہ جبال نظر آیا" اور اس کے بعد آپ ﷺ نے کفار کی ہلاکت کے لئے فرشتہ جبال کی جو درخواست تھی اور اپنا جواب بیان کیا۔ [2] آنحضرت ﷺ اس دن کو ایام مصائب

---

1. نسائی کتاب الجہاد و ترمذی تفسیر آیت بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے "حسن" ہے۔
2. مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین و بخاری کتاب بدء الخلق۔

کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت فرمائے تھے بظاہر ایسا سمجھا جاتا تھا کہ آپ ﷺ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اس سے بھی زیادہ تکالیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ ﷺ پر آئی ہیں بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے ہیں کہ یہ قریش کی قسمت اور ہلاکت کی آخری گھڑی تھی اور اب تجربہ ہلاکت ان کے سر پر تھا اور رحمت عالم ﷺ ہی اس کا صدمہ تھا تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دی گئی تھی اور وہ نادان استہزا کرتے تھے جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا کرتی آئی ہیں۔ کفار قریش آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہتے تھے جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھا دو۔

﴿ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴾ (یونس-۲)

اور وہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترا؟ اے پیغمبر کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے۔ تم اس کے ظہور کا انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

کبھی آ کر کہتے۔

﴿ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴾ (اسرائیل-۱۰)

یا جیسا تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ

﴿ لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ (حجر-۱)

اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے؟

خدا نے جواب میں کہا۔

﴿ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ﴾ (حجر)

جب فرشتے آ جائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔

کفار قریش کو عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افراد صالح الگ نہ ہو جائیں عذاب نہیں آ سکتا۔

﴿ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ (رعد-۱)

اور کفار جلدی چاہتے ہیں تم سے بھلائی سے پہلے برائی حالانکہ ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گذر چکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیرا رب سخت عذاب والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کا ذکر کر کے کہتا ہے۔

﴿ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ۝ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۝ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا

يُوعَدُونَ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴾ (شعراء ۔ ۱۱)

وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آ جائے گا کہ ان کو خبر (بھی) نہ ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں؟ بھلا دیکھو تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا اور پھر ان پر وہ عذاب آ گیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی۔ ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا لیکن اس کو ڈرانے والے پہلے موجود تھے۔

یعنی اس اصول کی بناء پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈرانے والا مامور ہوا کرتا ہے قریش میں بھی ایک ڈرانے والا آیا۔ اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے۔

﴿ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾ (حج ۔ ۷)

تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں اور وہ گنہگار تھیں اور اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے کنویں بے کار پڑے ہیں اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران ہیں۔ کیا یہ کفار زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے سمجھتے، یا کان ہوتے جن سے سنتے، کیونکہ آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں کہ ان کو یہ عبرتناک مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب کی اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ ٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے" کہہ دے اے لوگو! میں تو صاف صاف تم کو ڈرانے والا ہوں۔

قرآن نے رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

﴿ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ﴾ (فاطر ۔ ۵)

کیا وہ پچھلی قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔

چنانچہ گذشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آ گئے ہیں یعنی رسول اور مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی کیونکہ جیسا پہلے گذر چکا ہے جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے پہلے ہی یہ بتا دیا گیا تھا۔

﴿ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴾ (بنی اسرائیل ۔ ۸)

اور آمادہ اس زمین سے قدم اکھیڑ نے لگے ہیں تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے بعد
بہت کم ٹھہر سکیں گے۔ تم سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم بدلتا نہ پاؤ گے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش ادھر ادھر بیٹھے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح میں جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے گا؟ چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوئے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے جا کر فاطمہؓ کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں۔ وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپ ﷺ نے سر اٹھایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم ﷺ رؤسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں اور یہ اس لئے نہیں کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لئے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدہ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔

قرآن نے کہا۔

﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ﴾ (علق)

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندہ الٰہی کو نماز سے روکتا ہے؟

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا آخری وقت تھا آنحضرت ﷺ نے بآواز میں بددعا کی اور یہی آخری مرتبہ ہلاک کی درخواست کی مگر پھر بھی رحمت عالم ﷺ کی شفقت دیکھئے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں مانگی بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بددعا کی اور ان میں سے بھی سات رئیسوں کے نام لئے اور فرمایا ”خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے خداوندا! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف، ولید بن عتبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ“۔ یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔ [1]

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ ﷺ کو تعلیم کی گئی [2]

﴿ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ﴾ (بنی اسرائیل۔۹)

خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا، خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مددگار غلبہ والی طاقت عطا کر۔

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی۔

﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ (بنی اسرائیل۔۹)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کو ہے۔

---

1. بخاری اور مسلم باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔
2. آغاز سورہ کو (بنی اسرائیل) اور مستدرک حاکم باب التفسیر میں تصریح ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کی ہے۔

انبیاء کی سنت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت فرمائی اور جس دن کا انتظار تھا وہ آ گیا قرآن نے کہا کہ رؤسائے قریش پر آیت عذاب کے نازل ہونے کے لئے ہجرت کا انتظار تھا وہ ہو چکی اور اب کوئی مزید انتظار نہیں۔

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ ﴾ (انفال۔۴)

اور جب (اے پیغمبر) منکرین داؤ کر رہے تھے تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ داؤ کرتے ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے اور خدا داؤ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں یہ تو فقط اگلوں کی کہانیاں ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ اے خدا اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش کر یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا اور خدا ان پر (ہجرت سے پہلے) کیونکر عذاب کرتا جب کہ تو ان میں تھا اور خدا ان پر عذاب کرنے والا نہیں ہے در آنحالیکہ وہ مغفرت چاہتے ہوں اور خدا ان پر عذاب کیوں نازل نہ کرے گا جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں اس کے مستحق صرف پرہیزگار ہیں۔

## غزوۂ بدر معجزۂ ہلاک تھا:

جس طرح دوسری قوموں کے لئے مختلف معجزات عذاب آئے اسی طرح جس قوم میں آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تھے اس کے لئے غزوۂ بدر معجزۂ عذاب تھا ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کی بددعا سے پہلے تو قریش پر قحط کا عذاب آیا جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں سا نظر آتا تھا بعض رؤسائے قریش نے خدمت نبوی میں آ کر کہا کہ ”محمد! تم رحمت و شفقت اور صلہ رحمی کی دعوت دیتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی مگر پھر قریش کی سرگردانی کا وہی عالم ہو گیا تو ان کے لئے معجزۂ عذاب کے سوا کوئی اور طریقۂ علاج باقی نہ رہا چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کی بطشۂ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لئے ہلاکت کی نشانی قرار پائی قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا تھا جس میں پہلے اس قحط کی پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی کی تھی۔

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ○ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ○ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا

مُنتَقِمُونَ ، وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ﴾ (دخان۔۱)

اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کر لا دے جو لوگوں کو گھیر لے اس وقت کہا جائے گا "یہ ہے دکھ کی مار" تب گڑ گڑائیں گے کہ خداوندا! ہم سے یہ عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں' کہاں ہے ان کے لئے سمجھنا حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول آ چکا تو اس سے پیٹھ پھیری اور کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لئے عذاب کو دور کر دیتے ہیں تم پھر وہی کرنے والے ہو انتظار کر اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے ہم بدلہ لینے والے ہیں اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطش اکبران رؤسائے قریش کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لئے غرق بحر کی حیثیت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت ﷺ نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! ان پر حضرت یوسفؑ کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر دعا کی درخواست کی چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔ خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حال پر آ جائیں گے یعنی ایمان نہ قبول کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بطشہ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر۔[1]

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں رؤسائے قریش جو نماز میں مخل انداز ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان کا نام لے لے کر ہر ایک کے حق میں بددعا کی تھی۔ اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے ہجرت کے بعد ہی آپ ﷺ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے ابوجہل نے ان کو روکا' امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا۔ حضرت سعدؓ نے کہا "امیہ تم دخل نہ دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے"۔ یہ سن کر امیہ ڈر گیا چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا لوگوں کے طعن سے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا کیا "تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں؟"[2]

جب غزوۂ بدر کے لئے آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گذر چکی ہے مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گذر کر مکہ جا رہا تھا دوسرا رؤسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلا تھا۔ خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی۔ عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا نہیں بلکہ اس بطشہ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے تو انہیں یہ فکر ہوئی کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے چنانچہ مسلمان مخبر

1. صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان۔
2. صحیح بخاری کتاب المغازی۔

آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کی بددعا مانگی تھی؟ حضرت نوحؑ نے طوفان سے اور حضرت موسیٰؑ نے غرق سے پہلے اپنی قوم کے لئے مانگی تھی۔ حضرت نوحؑ نے کہا "خداوندا! اس زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے بندوں کی گمراہی کا سبب ہوں گے اور ان کی نسل سے کوئی تیرا نام لینے والا پیدا نہ ہوگا"۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا "خداوندا! ان کے دل سخت کر دے جب تک عذاب نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں"۔ لیکن اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ "خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر، آج یہ مٹھی بھر مسلمان فنا ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا"۔

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بہ صراحت اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی تھی، رحمت عالم ﷺ نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی، دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں۔

حاکم نے مستدرک (جلد ۳ صفحہ ۲۱) میں یہ روایت نقل کی ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ ﷺ نے ان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف آرائیں پیش کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "چونکہ قریش اپنے اگلے بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گذشتہ انبیاء کی امتوں میں) نوحؑ نے دعا کی کہ خداوندا! زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑ، موسیٰؑ نے کہا خداوندا! ان کے دلوں کو سخت کر دے، ابراہیمؑ نے فرمایا جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو خدا غفور و رحیم ہے۔ عیسیٰؑ نے کہا الٰہی! اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اگر تو ان کو معاف کر دے تو غالب اور دانا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ "تم لوگ وہ قوم ہو جن میں غربت ہے، سو تم میں سے کوئی بغیر فدیہ یا گردن مارے چھوٹ نہ سکے گا"۔

اس روایت سے ہمارے اصول مذکورہ کی حرف حرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ

(۱) مشرکین قریش کے لئے دنیاوی عذاب ہلاکت کا وہ دن تھا جیسے گذشتہ قوموں پر ہلاکت کے لئے دن آیا کئے تھے۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاءؑ کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ اور دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا پہلو لیا مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی۔

## سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز:

گذشتہ فصلوں میں انبیاءؑ کے جو خصائص و امتیازات اور علامات واضح بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے عملاً فیصلہ و تعبیر کا سبب ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں۔ ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے ظاہر کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحیر کر دے لیکن پیغمبر کا

مقصد ہے ان حیرت انگیز افعال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ پیغمبر بشیر و نذیر، محرّک، داعی، سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے۔ ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا اور کوئی ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا اور تخییل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا۔ ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔

﴿ما یفرقون به بین المرء وزوجه وما هم بضارین به من احد الا باذن الله ویتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم﴾ [بقرہ-۱۲]

سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں پہنچاتی۔

غرض سحر و جادو کوئی موثر شے نہیں سورۂ طٰہٰ میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

﴿فاذا حبالهم وعصیهم یخیل الیه من سحرهم انها تسعی﴾ (طہٰ-۳)

پھر ناگاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ دوڑ رہی ہیں۔

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصا سامنے ڈال دو، نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی۔

﴿قلنا لا تخف انك انت الاعلی ۝ والق ما فی یمینك تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید سحر ولا یفلح الساحر حیث اتی﴾ (طہٰ-۳)

ہم نے کہا موسیٰ! ڈرو نہیں، تم ہی سربلند ہو گے، تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو، وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا۔ بے شک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادوگر کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پا سکتا۔

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا۔ نبی کے تمام اعمال، مسائل، جدوجہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگر کا مقصد صرف فریب، دھوکا اور شر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں۔

﴿ما جئتم به السحر ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین﴾ [یونس-۸]

جو تم لے کر آئے ہو وہ جادو ہے اللہ اس کو باطل کر دے گا بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔

یعنی وہ سحر و جادو ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب جادو کے کرشمے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا

﴿اسحر هذا ولا یفلح الساحرون﴾ (یونس-۸)

کہ یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔

غرض "فلاح" اور "عدم فلاح" "معجزہ اور جادو" کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت ﷺ کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے۔ خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ یہاں دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کا معیار یہ ہے اور یہی خدا نے کہا "ہم تم کو بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں؟"

﴿عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ﴾ [شعراء-۱۱]

شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے۔ علاوہ ازیں افترا پرداز اور مفتری کے کام کو مستقل و دائمی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (نحل-۱۵)

جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے چند روزہ کامیابی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

## معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے:

معجزات، دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے؟ قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو۔ اگر اس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کرے۔ اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہوگی۔

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾

(یونس-۱۰)

کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے۔

(۲) دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ غروری اور تکبر ہے۔ معاندین چونکہ عموماً دولت مند، سردار اور مدعیان عقل و خرد ہوتے ہیں اس لئے ان کا جذبہ انانیت ان کو اعیان حق کے علم کے پیچھے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے۔ اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں۔ معاندین نے ہمیشہ انبیاء کو کہا ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗ﴾ "یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے کیا ہم اس کی پیروی قبول کر لیں"۔ مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی دعوت

قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گونا گوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی۔

﴿ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ، إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ، فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ﴾ (مومنون۔۳)

پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرور لوگ تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لائیں درآنحالیکہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے مغروروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا فیصلہ سنا دیا۔

﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ﴾ (اعراف۔۱۷)

ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤساء اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لئے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ہوتی تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴾ (زخرف۔۳)

اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں۔

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴾ (رعد۔۴)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کہہ دے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے۔

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کے شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے۔

مشرک جو کسی مذہب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے۔

﴿ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ، كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (روم۔۶)

# آیات و دلائل نبوی کی تفصیل

"معجزہ" کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام مافوق فہم بشری سوانح و واقعات کی تفصیل کی جائے۔ یہ سوانح و واقعات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آتے ہیں ہم نے ان کا نام خصائص نبوت رکھا ہے دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو ان کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے۔ پہلے میں وہ معجزانہ واقعات ہیں جو نص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں۔ اس کے بعد کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں جو آنحضرت ﷺ کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور سب سے آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے اس تفصیل کے مطابق آئندہ ورق کی ترتیب حسب ذیل صورت ہوگی:

۱۔ خصائص نبوت۔

۲۔ وہ آیات و دلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

۳۔ صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات و دلائل ثابت ہیں۔

۴۔ غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید۔

۵۔ کتب سابقہ کی بشارتیں۔

۶۔ خصائص محمدی۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم ﴾ (یوسف۔۱۲)
اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا۔ یہ فرشتوں کو اس لئے اتارتا جاتا کہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں

﴿ يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ﴾ (نحل۔۱)
خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔

ان کے علاوہ رویت و مشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال و مشاہدہ کا بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا استقراء کتب الٰہی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

# مکالمۂ الٰہی

﴿وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائ حجاب﴾ (شوریٰ)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمۂ الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبۂ ربانی اور مکالمۂ الٰہی کی تصریح ہے اور مجموعہ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خدا انبیاء سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے۔

﴿وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائ حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم﴾ (شوریٰ-۵)

اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے روبرو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔

اس آیت میں مکالمۂ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ کلام باطنی، کلام پس پردہ اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ ان ہرسہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقۂ کلام سے مشرف کیا گیا ہے بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے اسی لئے ان کے فضائل میں تکلم الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے مثلاً حضرت موسیٰ کہ ان کی شان میں

﴿وکلم اللہ موسی تکلیما﴾ (نساء)

اور خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں۔

کی تصریح ہے جب ان کو وادی سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی سورۂ بقرہ میں اس خاص طریقۂ کلام کے درجہ کو اور بھی وضاحت دی گئی ہے چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا

﴿منھم من کلم اللہ﴾ (بقرہ)

ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقۂ کلام سے مشرف کیا اس لئے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰ کے ساتھ دوسرے نبی بھی شریک ہو سکتے ہیں آنحضرت ﷺ کو مکالمۂ الٰہی کے تینوں مذکورہ بالا طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب و محبوب کے درمیان توسط اور پردہ سب بیچ سے اٹھ گئے تھے، جہاں زمان و مکان اور جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی نہ تھی تنہائی تھی، جہاں نہ کوئی حجاب تھا نہ برق طور، نہ دشت ایمن تھا نہ کوہ وادی، صورت سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقت محمدی گوش بر آواز ﴿فاوحی الی عبدہ ما اوحی﴾ (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں جو باتیں کیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصلی مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے۔

۱۔ فطری حکم۔

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾ (نحل)

تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو "وحی" کیا۔

﴿بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ (زلزال)

اس لئے کہ تیرے پروردگار نے "زمین" کو وحی کیا۔

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔

وحی لها القرار فاستقرت      وشدها بالراسیات الثبت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی "وحی" کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔

(۲) دل میں بات ڈال دینا۔

﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي﴾ (مائدہ)

اور جب میں نے حواریوں کو "وحی" کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (قصص)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو "وحی" کیا کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔

۳۔ چپکے سے بات کرنا۔

﴿يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ (انعام)

یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات "وحی" کرتے ہیں۔

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ﴾ (انعام)

اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو "وحی" کرتے ہیں۔

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ "تیزی سے لفظ یا بلا لفظ ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا، اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں"۔ اس لئے اشارہ کرنا، لکھنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری دینا اور کتابت اور جانوروں کا اپنی حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا سب اس کے معنوں میں داخل ہیں۔ بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے۔ چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مکالمہ الٰہی اور وحی کا آغاز رؤیا اور خواب سے ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

﴿اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح﴾

آنحضرت ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز اچھے خواب سے ہوا۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر

سے تھا۔

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿ احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال و احیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول ﴾

کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آواز میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ (جبرئیل) میرے لئے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔

﴿ صلصلة الجرس ﴾ یعنی "گھنٹی کی آواز کی طرح آواز آنا" کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے الفاظ سے سمجھتے ہیں یعنی ایک آواز سنائی دے لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے۔ گھنٹی کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح اوپر سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے مخفی اشاروں سے انسان کچھ سمجھ سکتا ہے حالانکہ گھنٹی بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر بھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی اس کے بالمقابل آپ ﷺ نے وحی کی دوسری صورت یہ فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے اور وحی بھی کرتا ہے۔

حدیثوں میں طریقہ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ ان روح القدس نفث فی روعی ﴾

روح القدس نے میرے دل میں پھونکا۔

اور یہی صیغہ مجہول سے بھی آیا ہے۔

نفث فی روعی

میرے دل میں پھونکا گیا

حافظ ابن قیم نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں۔

۱۔ رویائے صادقہ۔ سچے خواب دیکھنا۔

۲۔ نفث فی الروع یا القاء فی القلب۔ دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا۔

۳۔ صلصلة الجرس۔ گھنٹی کی طرح آواز آنا۔

۴۔ تمثل۔ فرشتہ کا کسی شکل میں متمثل ہو کر نظر آنا۔

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

۶۔ وہ طریقہ مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

۷۔ بلا واسطہ مکالمہ

تمام محدثین [1] کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (سورۂ مدثر)

اے کمبل پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی [2] اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ کے سن تک کل ۲۳ برس نزول وحی کے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہوگئی تھی [3]۔ محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی اطراف ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے اس لئے مخاطبہ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔

صحابہ کرامؓ وفات نبوی کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گذر گاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلودہ ہو جاتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہؓ تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ سن کر ان صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ [4]

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کے مترادف ہوگئی ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت و بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے لیکن قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے کہ

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ (کہف، فصلت)

کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا ایک خدا ہے

---

[1] اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزل الوحی) کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے۔ وہ آیتیں فترۃ الوحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

[2] صحیح بخاری باب بدء الوحی و تفسیر سورۂ مدثر۔

[3] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی۔

[4] صحیح مسلم فضائل حضرت ام ایمنؓ۔

آنحضرت ﷺ جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے وہ چیز آپ ﷺ کے نفس و ارادہ سے نہیں اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (نجم-۱)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔

ابتداء اس کا مورد و مہبط آپ ﷺ کا پاک و منور قلب تھا۔

﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (بقرہ-۱۲)

اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (شعراء-۱۱)

روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے۔

اور یہی مجموعہ وحی آپ ﷺ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے ارشاد ہوا کہ "دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی"۔ [1]

سرمایہ وحی کی جو دولت اسلام کے ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور صحیفوں میں اب تک محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیح کے اوراق میں مخزون ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کا مثل اور" [2] یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جاں نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔ یعلی بن امیہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ ﷺ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی؟ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر انتظار کیا۔ آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جو خوشبو تم نے لگائی ہے اس کو تین دفعہ دھو ڈالو اور اس کپڑے کو اتار ڈالو پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو"۔ [3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے تو لوگو خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں اچھے طریقہ کو کام میں لاؤ۔ رزق میں دیر تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی کی تلاش کرو کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے"۔ [4] حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھ سے جبرئیل نے کہا کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں

---

۱۔ صحیح بخاری باب کیف نزول الوحی و صحیح مسلم کتاب الایمان۔

۲۔ ابوداؤد کتاب السنۃ۔

۳۔ صحیح بخاری باب نزول القرآن۔

۴۔ مستدرک حاکم [illegible]

# نزول ملائکہ

﴿اللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا﴾ (الحج)

لفظ ''ملائکہ'' کا واحد ''ملاک'' ہے جو عربی کے قاعدہ سے ملک ہو گیا ہے۔ یہ الوکۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ''پیغام'' کے ہیں۔ اس لئے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔

ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں۔ قرآن مجید نے متعدد مقام پر ان کو رسل اور رسل اللہ یعنی قاصدان الٰہی کہا ہے۔

﴿اللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا﴾ (الحج۔۱۰)

خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لئے خدا نے ان کو مدبرات امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورۂ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے بھی روگردانی نہیں کرتے۔

﴿عَلَیْہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَہُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ (تحریم۔۱)

اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں۔ اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں۔ توراۃ اور انجیل و قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے۔ حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے حضرت ہاجرہؑ کو بیاباں میں یہ نظر آئے حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا حضرت ایوبؑ کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے۔ حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انہوں نے دی۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے۔ یہ آپ ﷺ کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجود اقدس کی محافظت ان کے سپرد تھی، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھا۔

ملائکہ کے سرخیل جبرئیلؑ ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں اور یہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی آ کر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

## نزول جبرئیل:

''جبرئیل'' عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''مرد خدا'' کے ہیں لیکن یہ اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے۔ توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے چنانچہ دانیال (۸۔۱۶۔۱۹۔۲۱) میں اس کی پیغامبری کا بیان ہے۔ اسی طرح انجیل (لوقا۔۹۔۲۶) میں

مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریاؑ کے پاس حضرت یحییٰؑ کی بشارت اور حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بشارت لے کر آیا تھا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت ﷺ اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا وہ بھی جبرئیل تھا۔

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (بقرہ۔۱۲)

جو جبرئیلؑ کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ (اے پیغمبر) اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔

اور کہیں اسی کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے۔

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ، عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ (شعراء۔۱۱)

امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری تا کہ تم لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ (نحل۔۱۴)

کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔

﴿ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴾ (الحاقہ)

یہ ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔

سورۂ تکویر میں اس ''رسول'' کی متعدد صفات کا بھی ذکر ہے۔

﴿ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ ﴾ (تکویر)

یہ ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا اقتدار ہے۔ اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں۔

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى، ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ﴾ (نجم۔۱)

اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے جبرئیل کے لئے الملک کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ''ناموس'' کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ ملک کی اصل جیسا کہ ابتداء میں بتایا جا چکا ہے، الملاک جو الوک سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملک کے معنی پیغامبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور رازداں کے ہیں۔ بہرحال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبرئیلؑ کا نام تین مقام پر آیا ہے۔ دو دفعہ سورۂ بقرہ میں اور ایک جگہ سورۂ تحریم میں لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (بقرہ۔۱۲)

جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ اس نے تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں روح الامین، روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے "جبرئیل" کا ہی لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک واقعہ کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جبرئیل کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ ﷺ غار حرا میں معتکف تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

"آنحضرت ﷺ کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ ﷺ جو رویا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا تھا پھر (طبیعت مبارک میں) تنہائی پسندیدہ کیا گیا۔ غار حرا میں جا کر آپ ﷺ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے۔ جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے یہاں تک کہ حق آپ ﷺ کے سامنے آ گیا اور وہ فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا "پڑھ"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں پڑھا نہیں ہوں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ"۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" میں نے پھر کہا کہ "میں پڑھا نہیں ہوں" اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (علق)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔

آنحضرت ﷺ ان آیتوں کے ساتھ گھر واپس آئے۔ قلب مبارک پر لرزہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا "مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اوڑھاؤ" لوگوں نے آپ ﷺ کو کمبل اوڑھایا۔ جب آپ ﷺ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے" حضرت خدیجہؓ نے کہا "ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں۔ خدا آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ قرابتداروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ ﷺ خود اٹھاتے ہیں۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ ﷺ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں"۔ پھر آپ ﷺ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید توراۃ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے [1] اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنئے ورقہ نے کہا "اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟" آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا "یہ وہی ناموس (محرم اسرار) ہے جو موسیٰ پر اتارا گیا تھا۔ اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا۔ اے کاش کہ میں اس

---

[1] دونوں روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسری میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔

وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی"۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی" اس نے جواب دیا "ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا"۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ورقہ نے وفات پائی۔[1]

اس کے بعد جبرئیلؑ کی آمد رکی رہی اور آپ ﷺ بدستور غار حرا میں جاتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک دن آپ ﷺ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھا پھر نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا آسمان اور زمین کے بیچ تخت پر بیٹھا ہے اور میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا"۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔

حضرت جبرئیلؑ جب وحی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپ ﷺ جلد جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے۔ اس پر حکم ہوا۔[2]

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (قیامہ-۱)

وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کے لئے جنبش نہ دو۔ اس کی حفاظت اور قرات کا فرض ہم پر ہے۔

اس کے بعد جب جبرئیلؑ نازل ہوتے تو آپ ﷺ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ اس کو پڑھتے۔

بارگاہ نبوی میں جبرئیلؑ کے آنے کا کوئی وقت متعین نہ تھا۔ صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ، ہر وقت فیضان الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نصف شب کو سوتے سوتے اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا "رات جبرئیلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں"۔[3] غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دیکھو یہ جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں"۔[4] غزوہ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت ﷺ واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبرئیلؑ نے سامنے آ کر کہا کہ آپ نے ہتھیار کھول دیئے حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے۔[5] ہاں سب سے زیادہ جبرئیلؑ کی آمد آپ ﷺ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی جس میں وہ ہر روز آ کر آپ ﷺ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپ ﷺ کو سناتے تھے۔[6]

---

1. صحیح بخاری بدء الوحی و کتاب التعبیر و تفسیر سورہ مدثر میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لئے یکجا کر دیا ہے۔ چونکہ استاد مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا اس لئے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔
2. صحیح بخاری باب الوحی۔
3. نسائی باب الاستغفار للمومنین۔
4. صحیح بخاری غزوہ بدر۔
5. ایضاً غزوہ خندق۔
6. صحیح بخاری بدء الوحی۔

جبرئیلؑ اس وقت بھی آتے تھے جب آپ ﷺ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے لیکن جو کچھ آپ ﷺ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اے عائشہ! جبرئیلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں انہوں نے کہا یارسول اللہ! آپ ﷺ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔[1] توراۃ میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتۂ غیب کے مجسم اور متشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت عیسیٰؑ پر اتری۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر آپ ﷺ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو"۔ اس نے پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ جواب دیا کہ "تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو"۔ اس نے کہا "اور احسان کیا ہے؟" ارشاد ہوا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ اس نے پھر سوال کیا کہ "قیامت کب آئے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں، البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے، اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا"۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔[2]

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾

قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا! ذرا اس کو واپس بلاؤ۔ لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے"۔

صحابہ میں دحیہؓ نام کے ایک صحابی بہت حسین تھے۔ جبرئیلؑ اکثر انہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آجاتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہؓ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھے آپ ﷺ سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہؓ نہیں ہیں۔ اتنے میں مسجد نبوی میں میں نے آپ ﷺ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہؓ نہیں بلکہ جبرئیل امینؑ تھے۔[3]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبرئیلؑ کو آنحضرت ﷺ نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا۔[4] ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر، وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے۔ سورۃ

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الخلق۔

[2] صحیح بخاری باب الایمان۔

[3] صحیح بخاری کیف نزول الوحی۔

[4] صحیح بخاری تفسیر سورۂ والنجم و صحیح مسلم معراج۔

نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں۔

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى، ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى، وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى، فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى، أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى، وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى﴾ (النجم ۱)

بڑی قوتوں والے طاقتور نے اس کو سکھایا اور پھر وہ برابر ہوا اور بلند افق آسمان کے کنارے پر تھا، پھر قریب ہوا پھر لٹک آیا تو دو کمانوں کے بقدر تھا یا اس سے بھی قریب تر، تو خدا نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا، کیا تم لوگ اس سے اس کے مشاہدہ پر جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ ﷺ کو مجنوں اسی لئے کہتے تھے کہ آپ ﷺ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے۔

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ، وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ، وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ﴾ (تکویر)

یہ ایک بزرگ پیغامبر کی بات ہے، جو قوت والا، عرش والے خدا کے پاس معتبر ہے، وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ امانت دار ہے۔ تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنوں نہیں ہے، یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارہ میں دیکھا۔

وہ ذوق و شوق جو حضور ﷺ کو اس قاصد الہٰی کی آمد کے ساتھ تھا، وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے؟ جواب ملا۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم ۴)

ہم تو تیرے پروردگار کی اجازت اور حکم سے اترتے ہیں۔ ہمارے آگے اور پیچھے اور درمیان کا سب علم اسی کو ہے اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی اور کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ اس خیال سے میں سایہ میں ہو گیا لیکن آپ ﷺ کی نگاہ پڑ گئی پوچھا کون ہے؟ عرض کیا آپ ﷺ پر قربان میں ہوں ابوذرؓ۔ آپ ﷺ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے پھر فرمایا "آج جو دولت مند ہیں وہ کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں آگے پیچھے پھینک دے اور اس سے نیکی کا کام کرے۔" ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم یہاں ٹھہرے رہو اور یہ کہہ کر آپ ﷺ پہاڑ کی طرف گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا لیکن چونکہ آپ ﷺ نے ٹھہرا دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں اس لئے ٹھہرا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ سامنے سے

آئے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ "اگر چہ چوری کرے اور زنا کرے"۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ ﷺ پہاڑی کے اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ فرمایا کیا تم نے آواز سنی؟ عرض کیا ہاں فرمایا جبرئیلؑ تھے پہاڑی کے بیچ مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا جبرئیلؑ! کیا اس نے زنا یا چوری کی کیوں نہ کی ہو۔ جواب دیا "ہاں" میں نے پھر کہا اگر چہ زنا یا چوری کی کیوں نہ کی ہو دوسری دفعہ بھی جواب دیا ہاں۔ میں نے پھر کہا کہ اس نے زنا یا چوری کی کیوں نہ کی ہو تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔ [1]

## فرشتہ میکائیل کا نزول:

جبرئیلؑ کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنا ثابت ہے۔ قرآن مجید میں جبرئیلؑ کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں جن میں سے ایک میکائیلؑ ہیں۔ یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لئے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبرئیلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے۔ خدا نے اس کے جواب میں کہا۔

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (بقرہ ۱۲)

جو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا۔ یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں ان کی مدد کیا کرتا تھا (دانیال ۱۰-۱۳-۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق بھی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا تھا۔ (اعمال ۷-۳۸)

میکائیل بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں۔ معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ تھے۔ اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ تھے بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیل ہی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

## عام ملائکہ کا نزول:

جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بغیر تعین نام آپ ﷺ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں میں ثابت ہے اور انہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کا دل ہر وقت سکینت الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بار گراں رکھا گیا تو پہلا آپ ﷺ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف ظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے ہیں، جن کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا لشکر ہے اور جس کے جاتے ہیں اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا لشکر ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادۂ پیکار ہے یہ دو

[1] صحیح بخاری و مسلم و صحیح مسلم "معراج"۔

وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (احزاب ۔ ۷)

بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔

دشمن (قریش) اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ وہ سارے قریش ہمارے ساتھ ہیں۔ پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ٭ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (علق)

وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے، ہم بھی اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔

اس وقت جب منافقین آپ ﷺ کی بزم خاص میں بھی نفاق و انتشار گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں بعض ازواج سے آپ ﷺ آزردہ ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (تحریم)

تو خدا پیغمبر کا ولی و ناصر ہے اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ "کیا محمد بھی تمہارے سامنے سر رگڑتے ہیں"۔ لوگوں نے کہا "ہاں" اس نے کہا لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ ڈالوں گا اور ان کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ کفار نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ "میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے"۔

قرآن مجید کی اس آیت میں۔

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى ٭ عَبْدًا إِذَا صَلّٰى﴾ (علق)

تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے منع کرتا ہے۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔[1]

سفر طائف سے جب آپ ﷺ ناکام واپس آ رہے تھے تو حسب اقتضائے بشری آپ ﷺ دل شکستہ تھے جب آپ ﷺ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا "یا محمد! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں آپ کے پروردگار نے آپ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی۔ مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو ان پہاڑوں کے بیچ ان کو کچل ڈالوں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔[2]

---

1. صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ ان الانسان لیطغی۔
2. صحیح بخاری ذکر ملائکہ و صحیح مسلم غزوہ احد۔

اسلام کی تاریخ میں ابتلا و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر میں پیش آیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تھی جو سب سے تعداد میں زیادہ تھی لیکن اس تھوڑی تعداد کے مقابلہ کے لئے لشکر کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ چنانچہ ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آ کر نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (انفال۔ ۱)

جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو منظور کیا کہ میں ایک ہزار لگاتار سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اس کی کیفیت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ”ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”آگے بڑھ اے حیزوم“ یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی دھاریاں پڑ گئی تھیں۔ ان صحابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے“۔[1]

غزوۂ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا تھیں آنحضرت ﷺ نے تسلی دی کہ اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نہ جاؤ، خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ خدا نے کہا کہ ”ہاں بے شک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا“۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بتفصیل بیان کیا ہے۔

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ﴾ (آل عمران۔ ۱۳)

اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے دشمن جلدی سے دوڑ کر تم پر آ پڑیں تو وہ پانچ ہزار نشان دار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری بنایا اور تاکہ تمہارے دلوں میں اطمینان پیدا ہو اور مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا رشتہ چھوٹ گیا اس لئے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے مگر آنحضرت ﷺ کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الجہاد باب الامداد بالملائکہ۔

"میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔" [1]

صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبرئیلؑ و میکائیلؑ تھے۔ [2]

غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سروسامانی کا وہی عالم تھا۔ اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار ﷺ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی قوت نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (احزاب۔ ۲)

اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آ گھیرا تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسی فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

یہ غیر مرئی فوج روحانی سپاہیوں کے دستے تھے۔

حضرت ابوذرؓ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا کہ "میں ایک دفعہ بطحا میں تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ "کیا یہ وہی ہے؟" دوسرے نے کہا "ہاں یہ وہی ہے" پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو تو میرا پلہ بھاری رہا، پھر اس سے دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا تب بھی میرا پلہ ہی بھاری رہا۔ دوسرے فرشتے نے کہا اگر ان کی تمام امت بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں تب بھی ان کا ہی پلہ جھکتا رہے گا۔" [3]

یہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے اور ایک جگہ خط کھینچ کر فرمایا کہ یہاں ٹھہرو اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ ایک طرف تشریف لے گئے۔ اسی اثناء میں کچھ لوگ نظر آئے جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ نہ تو وہ برہنہ تھے اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے۔ وہ میری طرف آ کر

---

1. صحیح بخاری جلد ۲ باب غزوۂ احد ص ۵۸۰۔
2. صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب قتال جبرئیل و میکائیل عنه۔
3. یہ حدیث مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی ﷺ میں ہے اس کا سلسلہ یہ ہے: اخبرنا عبد اللہ بن عمران حدثنا ابو داؤد حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروة بن الزبیر عن ابیه عن ابی ذر الغفاری [illegible] جعفر بن عثمان القرشی [illegible] عثمان بن عبد اللہ بن عثمان القرشی ہے جو صحیحین میں مذکور ہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے جاتے تھے اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آدھی رات کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور فرمایا تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں۔ یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں کچھ لوگ اجلے اجلے کپڑے پہنے جن کے حسن جمال کا حال خدا ہی جانے نکلے اور پاس آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ آپ ﷺ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپ ﷺ کے پاؤں کے پاس آ کر بیٹھے۔ دونوں نے مل کر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل ہشیار رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ چلے گئے آپ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں۔ تم جانتے ہو یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ فرشتے تھے۔ ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔ [1]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء پڑھ کر آپ ﷺ چلے تو میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا۔ فرمایا ''کون حذیفہ؟'' عرض کی ''جی ہاں'' فرمایا آج ایک فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اترا تھا۔ اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آ کر مجھے یہ بشارت سنائے کہ فاطمہؓ جنتی بیبیوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ [2]

---

[1] ترمذی ابواب الامثال امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے

[2] ترمذی مناقب حسینؓ حدیث غریب

# عالم رؤیا

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ (فتح-۳)

رؤیا اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے اثبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے۔ علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و روحانی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذاتی اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں اس وقت بھی ان کے فطری کا عمل جاری رہتا ہے مگر چونکہ عموماً انسان گہری اور پرسکون نیند سوتا ہے اس لئے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالت خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب کسی کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو کسی کو اپنی گذشتہ سیر روحانی کے مکمل یا ناقص مناظر یاد رہ جاتے ہیں۔ اسی کا نام خواب ہے۔

یہ تو فلسفۂ قدیمہ کا "افسانۂ خیال" تھا۔ اب جدید عہد ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالم بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات، ارادوں اور تمناؤں کو جائز یا بے جا ہونے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں عالم خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت ان سے اٹھ جاتی ہے تو ان کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں۔ بہرحال یہ شاید ان رویاؤں کی توجیہ ہوگی جن کو "خواب پریشاں" "اوہام باطل" کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح ان خواب پریشاں یا اوہام باطل کے منکر نہیں ہیں لیکن رؤیا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے۔ روح جب تک جسم کے ساتھ رہتی ہے اس کی جلوہ نمائی کے دو رخ ہیں: جسمانی اور روحانی۔ اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جو کچھ دیکھتی ہے تو اس کو جسم کے مادی پردہ رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں۔ یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے۔ جس قدر اس کا تعلق انس، دل بستگی، فریفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی۔ حالت خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقات مادی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک ہوتی ہے اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ وسیع اور سچی ہوتی ہے۔ جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں ان کے لئے عالم بیداری بھی اقلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں۔ اسی کا نام مشاہدہ و مکاشفہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قلوب میں جو ارواح طیبہ ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں وہ عام حد انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے۔ اسی لئے عالم مشاہدہ اور عالم رؤیا دونوں میں حقائق و اسرار کی تجلیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار ہے

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی ہے۔ ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا "تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے"۔ حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے۔ جس کی زبان سچ بولے گی اس کی روح بھی سچا خواب دیکھے گی۔ علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا "خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رویائے صالحہ۔ یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے، دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں"[1] اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی روح سے بالکل الگ ہیں۔ اس عالم رویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویا میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے۔ جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں لیکن انبیاء کرام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے بڑی دیر تک تہجد نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں؟ فرمایا "اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا"۔[2] معراج کے ذکر میں ہے کہ "آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا اور انبیاء" کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔[3]

انہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیائے کرامؑ کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے جس قدر ان کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی، حضرت ابراہیمؑ نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا اس کے حکم الٰہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا۔ دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی رویا کی صحت و صداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا۔ خود آنحضرت ﷺ کے سوانح مبارک میں یہ احوال بہ کثرت نظر پیش آتے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ ﷺ کو دیئے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ "رؤیا الانبیاء وحی" انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔[4]

---

1. صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرؤیا۔
2. صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل۔
3. صحیح بخاری و مسلم باب الاسراء۔
4. ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ۔

اوپر اشارہ گذر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف و عرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے۔ چنانچہ علماء میں امام خطابی، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت مجدد الف ثانی اور تمام حضرات صوفیہ اس عالم کے قائل ہیں۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے جس میں متعدد احادیث سے علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا جسم نہیں ہیں مثلاً صفات، اعراض، نیکی، بدی، ایمان، علم وغیرہ وہاں اپنی مناسب صورتوں اور شکلوں میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں۔ نیکی ایک حسین و جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم غیب کی چیزیں جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اس نہر یا آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل میں صاف شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہرحال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم سے بخوبی کی جاسکتی ہے۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبرئیل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے۔

﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (مریم۔ ۲)

مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں۔ اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مضمون کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔ فرمایا

﴿ لقد صورت لی الجنة والنار حتی رأیتهما دون هذا الحائط ﴾ (بخاری باب التعوذ من الفتن)

میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔

﴿ لقد رأيت الآن منذ صليت لكم الصلوة الجنة والنار ممثلتين في قبلة هذا الجدار ﴾ (بخاری باب رفع البصر فی الصلوۃ)

میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں ممثل دیکھا یا میرے سامنے جنت و دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔

﴿ انی رأیت الجنة وأریت النار ﴾ (بخاری باب الکسوف)

میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ بھی مجھے دکھائی گئی۔

﴿ عرضت علی الجنة و عرضت علی النار ﴾ (مسلم باب الکسوف)

مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی۔

﴿ لقد جیء بالنار ثم جیء بالجنة ﴾ (مسلم باب الکسوف)

میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔

﴿ فاطلعت فی الجنة و اطلعت فی النار ﴾ (بخاری باب صفۃ الجنۃ)

میں جنت اور دوزخ میں جھانکا۔

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں۔ اس لئے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ "لایا جانا" اور "پیش کیا جانا" پر زیادہ تامل درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پوری پوری تعبیر نہیں کر سکتی پھر اس سے یہ توقع کس قدر بے جا ہے کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کسی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہے۔ جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں۔ وحی نبوی کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا۔ آپ ﷺ کو جو چیز رویا میں دکھائی جاتی تھی وہ سپیدۂ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھی۔ [1]

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے اور اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کی تعبیر کرتے۔ اگر وہ خواب و خیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب و خیال ہے۔ اسی اثناء میں اس شب میں اگر خود آنحضرت ﷺ کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ ﷺ اس کو سناتے۔ [2]

آنحضرت ﷺ کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تعبیر و تشریح خود اپنی زبان مبارک سے کر دی ہے۔ دوسری وہ رویا ہیں جو عین واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیشین گوئی اور خبر غیب ہے۔ دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور اسرار غیب کا اظہار ہے۔ ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانات کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

### رویائے تمثیلی:

ابھی آپ ﷺ مکہ معظمہ میں تھے، اسلام پر تنگی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ ﷺ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لا کر آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقاء کو دی گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں

1. صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ صحیح مسلم بدء الوحی۔
2. صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ صحیح مسلم بدء الوحی۔

مسلمانوں کی ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی اور ان کا مذہب پھیلتا اور پھولے گا۔ [۱]

ابھی آپ ﷺ نے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ "میری ہجرت کی سرزمین کھجوروں کا نخلستان ہے" میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر یثرب کا نکلا۔ اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احد کی شکست کی طرف اشارہ تھا، پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہوگئی۔ یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ احد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا۔ میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد بھلائی دیکھی، یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔ [۲]

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی تھی تو یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہ تھی، وبا بھی پھیلی تھی، مہاجرین میں اضطراب سا تھا۔ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں وہ مدینے سے نکل کر جحفہ کی طرف جا رہی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کر دی گئی [۳] چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہو گیا۔

ایک دفعہ رویا میں آپ ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے۔ اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی۔ حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو۔ آپ ﷺ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا [۴] ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے دیکھا کہ "آپ کے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا۔ پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔" آپ ﷺ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپ ﷺ نے کیا کی؟ فرمایا "علم"! [۵] اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا "آج شب کو جب میں سو رہا تھا میرے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے۔ ان میں سے کسی کے بدن پر کرتا سینہ تک تھا، کسی کا اس سے بھی کم۔ عمرؓ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتا اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے۔" سننے والوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا [۶] "دین"۔

---

۱ صحیح مسلم کتاب الرؤیا و صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

۲ صحیح مسلم کتاب الرؤیا۔

۳ صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرؤیا۔

۴ صحیح بخاری، مسلم و ترمذی کتاب الرؤیا۔

۵ صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرؤیا۔

۶ صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرؤیا۔

ایک شب میں آپ ﷺ کو ذات محمدی پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی۔ آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا۔ کچھ فرشتے اتر کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا ہو۔ اس نے ایک محل تیار کیا اور اس میں دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس کو اس نے سزا دی" بیدار ہو کر آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ وہ آقا خدا ہے۔ جنت اس کا محل ہے۔ جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا۔[1]

ایک دفعہ آپ ﷺ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنویں کے کنارے پر کھڑے ہیں بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں اور لوگوں کا مجمع ہے آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوبکر آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے مگر خدا ان پر رحم کرے! ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی۔ ان کے بعد عمر آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمر نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں تک پر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے[2] یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمت خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمرؓ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ سامنے ایک محل ہے اور ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمر کا مسکن ہے۔ میں نے چاہا کہ اندر جاؤں مگر عمر کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا"۔ حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا "یا رسول اللہ میں آپ سے غیرت کرتا؟"[3] ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ "اے بلال! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کے چاپ کی آواز سنی" عرض کی "یا رسول اللہ! میں ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔"[4]

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گذر چکا ہے۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سے عیسائی ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبرئیلؑ کا حال سنا تو انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ "اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی میں

---

1. جامع ترمذی باب الامثال۔
2. صحیح بخاری، مسلم، ترمذی کتاب التعبیر، کتاب الرؤیا و مناقب عمر۔
3. صحیح بخاری، مسلم، ترمذی کتاب التعبیر، کتاب الرؤیا و مناقب عمر۔
4. بخاری، مسلم مناقب بلال، ترمذی مناقب عمر۔

آپ کی پوری مدد کروں گا"۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں؟ انہوں نے تو آپ ﷺ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ ﷺ کے ظہور سے پہلے مر گئے"۔ فرمایا "مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں۔ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا"۔[1]

ایک شب کہ جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے جمال الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ ﷺ دیر کو برآمد ہوئے۔ نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں پھر فرمایا کہ "آج شب کو جب میں نے اٹھ کر رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ جمال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے۔ خطاب ہوا یا محمد ﷺ! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی "نہیں! اے میرے رب میں نہیں جانتا"۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا "یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟" عرض کی "ہاں! اے میرے رب ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں"۔ پوچھا "وہ کیا ہیں؟" عرض کی "نماز باجماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا' نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی۔ وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جائے گا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا"۔ پھر سوال ہوا کہ "یا محمد! درجات کیا ہیں؟" گزارش کی "کھانا کھلانا' نرمی سے باتیں کرنا' جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا"۔ پھر حکم ہوا کہ "اے محمد! مجھ سے مانگ" میں نے عرض کی "خداوندا! میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے تو مجھے بے آزمائے اٹھا لینا' میں تیری محبت کا اور جو تجھ سے محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا "یہ کچھ حق تھا اور اس دعا کو پڑھا کرو"۔[2]

آثار قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ ﷺ پر پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا کہ رات مجھے ایک رویا دکھائی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اسی اثناء میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے، بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں' کنگھی سے بال درست کئے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا مسیح ابن مریمؑ۔ میں ادھر دیکھنے لگا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا۔ سرخ رنگ، موٹا بھدا، بالوں میں بہت گھونگھر، بے چڑھے ہوئے ایک

---

1. مشکوٰۃ کتاب الرؤیا بحوالہ ترمذی کتاب الرؤیا و مسند احمد۔
2. یہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورہ ص و مسند ابن حنبل [illegible] ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

آنکھ سے دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔ [1]

ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سو کر اٹھے تو چہرہ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے لا الٰہ الا اللہ، افسوس ہے عرب پر اس برائی سے جو قریب آ گئی یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔ [2]

حضرت جبرئیلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ ﷺ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم رؤیا میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ "دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغۂ دوزخ ہے میں جبرئیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ [3]

نظارۂ جمال الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ ﷺ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دلکش اور مسرت فزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں۔ حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ بہرحال حسب معمول آج بھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رؤیا میں نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اس کے پاس کھڑا ہے وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھک جاتا ہے۔ وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے۔ وہ پھر آ کر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو۔ میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے دوسرے شخص کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے جو وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں پھر آنکھ میں، پھر نتھنے میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے اور چیر ڈالتا ہے۔ ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جبڑے اور آنکھ اور نتھنے کو اسی طرح گدی تک چیر ڈالتا ہے۔ اسی اثنا میں پہلی طرف کے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آ کر وہ ان کو چیرتا ہے تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو۔ میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک تنور ہے اس میں آگ روشن ہے۔ مرد اور عورتیں اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں۔ جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں اور چلاتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا۔ اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور کنارہ پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے۔ وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے مگر جب وہ قریب آتا ہے تو وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر

---

1. صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسراء۔
2. صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم باب اقتراب الساعۃ۔
3. بخاری بدء الخلق۔

مارتا ہے کہ وہ اس کے سر میں جا کر گھستا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔ وہ آدمی مٹ کر پھر جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کلہاڑا مارنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آ کر اس پر پڑتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلو آگے چلو۔ میں اور آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا۔ کریہ منظر سے کریہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو وہ اس سے بھی زیادہ کریہ منظر تھا۔ آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور وہ اس کو دہکا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے آگے بڑھنے کو کہا۔ میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا جس میں نو بہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس میں بچے بوڑھے جوان عورت مرد ہر طرف نظر آئے۔ آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی نظر آئی۔ اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیئے۔ ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا۔ اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ کسی نے اتنے نہیں دیکھے تھے۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا مگر انہوں نے اور آگے بڑھا دیا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا پہنچا۔ اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک سونے اور ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی۔ دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا۔ دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت۔ میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ۔ دیکھا تو ایک نہایت صاف شفاف نہر نظر پڑی۔ وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے۔ غوطے لگا کر پھر آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور وہ نہایت خوبصورت ہو گئے۔ ساتھیوں نے کہا یہ شہر جنت عدن ہے اور آپ کی منزل وہ ہے۔ میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا۔ میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے، مجھے وہاں جانے دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی نہیں مگر آپ وہاں ضرور جائیں گے۔ پھر میں نے کہا کہ آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، بتاؤ یہ کیا تھیں؟ انہوں نے کہا اب ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔ پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا وہ تھا جو قرآن پڑھ کر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے اور وہ شخص جس کی آنکھ ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے۔ تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے وہ زناکار ہیں، خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خور ہے (کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا وہ دوزخ کا داروغہ مالک تھا۔ باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آئے تھے وہ ابراہیمؑ تھے اور یہ بچے وہ کم سن تھے جو دین فطرت پر مرے۔ یہاں پر حاضرین مجلس میں سے ایک مسلمان نے آنحضرت ﷺ کو ٹوک کر کہا "یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟" فرمایا "اور وہ بھی" (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلہ گفتگو آگے بڑھا اور فرمایا اور فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے عام اہل ایمان کا مسکن ہے اور دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی تھے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے۔ خدا نے ان سے درگذر کیا۔[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین

# مشاہدات و مسموعات

## عالم بیداری

﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴾ (نجم)

پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو؟

انبیاء علیہم السلام کے حواس عام اصناف انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے سوا ان کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح کا مادر زاد اندھا کسی تیز نگاہ جوان کی قوت بینائی اور لطف نظر سے ناآشنا ہو۔

مشاہدات نبوی عام وہ واقعات نہیں جن کی روایت ہم کو خود اپنے علم یا رویت یا سماعت سے کر سکتے بلکہ وہ ان واقعات سے کس قدر بیان کئے جاسکتے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا اس لئے روایات حدیث میں مشاہدات نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکتا ہے اور نہ عام سمت کے کل دین کے لئے ان کیفیات مافوق کا علم ضروری ہے۔ بہر حال الفاظ و عبارات کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے اعادہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہدات نبوی کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبرئیل نامی فرشتہ کی رویت ہے جو سب سے پہلے غار حرا میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ دنوں تک وہ آپ ﷺ کی نگاہ سے اوجھل رہا اور آنحضرت ﷺ کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔[1] صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپ کے چند سال ایسے گذرے کہ آپ کو صرف غیب کی آواز سنائی دیتی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آتی تھی۔[2] یہ زمانہ فترۃ الوحی کا زمانہ ہے۔ یہ زمانہ ختم ہوگیا تو آپ نے ایک دن آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔[3] اکثر وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ جبرئیل صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپ ﷺ کو نظر آئے۔ آپ ﷺ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے۔[4] جبرئیل کے علاوہ دوسرے فرشتے بھی بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے جس کی تفصیل نزول ملائکہ کے عنوان میں گذر چکی ہے۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے۔ وہ آفت شر ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سب سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ تجربہ ظاہر کیا۔

﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ (طٰہٰ ۱)

---

1. صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
2. صحیح مسلم باب بدء الوحی ﷺ تک۔
3. صحیح مسلم روایتی۔
4. صحیح بخاری بدء الخلق و تفسیر صحیح مسلم باب ۱۲۰۔

ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔

سفر ایوب اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی بھی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔ انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ پوچھنے والے نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا ہاں لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے یا مطیع ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔ [۱]

جنت و دوزخ کو اور عالم کی چھپی ہوئی چیزیں نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آجاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا۔ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قرات رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے۔ اسی اثناء میں صحابہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا پھر دیکھا کہ آپ ﷺ کسی قدر پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی۔ میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں، چاہا کہ توڑ لوں۔ اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اس کو کھا سکتے تھے۔ پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ لوگوں نے سوال کیا "یا رسول اللہ! یہ کیوں؟" فرمایا کہ "اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب۔ اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا"۔ میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا۔ میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا۔ اس کو نہ کھلانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے اور آخر اسی بھوک سے اس نے جان دے دی۔ [۲]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں جا نکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔ [۳]

عمر کے آخری سال میں آپ ﷺ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ اسی درمیان میں آپ ﷺ نے فرمایا "میں اپنے حوض [کوثر] کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں حوالہ کی گئیں۔ اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈر جاتا ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔" [۴]

منبر مبارک مسجد نبوی میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں حضرت

---

۱　صحیح بخاری بدء الخلق باب صفۃ ابلیس۔

۲　صحیح بخاری و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر و باب الشمس فی الکسوف۔

۳　صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ۔

۴　صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید۔

جاری ہے"۔ اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی۔ فرمایا "یہ کون سی گھاٹی ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے۔ فرمایا "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، کمبل کا جبہ پہنے ہیں اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیک اللھم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔[1]

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعتہً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا گیا۔ وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔[2]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ کسی قبرستان سے گذر رہے تھے۔ فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے۔ ایک کو اس بات پر سزا دی جا رہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا' یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک درخت کی ہری ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔[3]

حضرت ابوایوب انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ فرمایا کہ یہ یہود ہیں ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[4]

طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "یہودیوں کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جا رہے ہیں ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں"۔[5] ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں! میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف اہل ایمان جا سکیں گے۔[6]

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے جہنم کو دیکھا۔ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے تھے اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔[7]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے۔ آپ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے اور

---

1. صحیح مسلم باب الاسراء۔
2. صحیح بخاری و صحیح مسلم باب معراج۔
3. صحیح بخاری کتاب الجنائز۔
4. کتاب الجنائز۔
5. قسطلانی شرح حدیث مذکور۔
6. جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول۔
7. مسند ابن حنبل بہ سند جابر بن عبداللہ۔

# اسراء یا معراج

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾

اسراء کے معنی رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا اس لئے اس کو اسراء کہتے ہیں اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے گیا)

معراج ''عروج'' سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں چونکہ احادیث میں آپ ﷺ سے لفظ عرج بی یعنی مجھ کو اوپر چڑھایا مروی ہے اس لئے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاء اور سیر ملکوت:

انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات وواقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں، اسباب ساعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں، قیود زمانی ومکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان وزمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا خلعت بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانۂ آب وخاک میں واپس آجاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں''۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان وزمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہی اسراء و معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراۃ میں مذکور ہے۔

''یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا۔ وہاں خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند! تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاق کا خدا۔ جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا''۔ (تکوین۔ ۲۸)

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوۂ حق کا پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراۃ کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا

مکاشفہ ہے۔ تفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سیر ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور ان میں آثار قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں۔ مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں بڑی حد تک آنحضرت ﷺ کے واقعات معراج کو نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی بات بدھ کی نسبت ہے کہ سایہ میں بدھ کے مشاہدہ روحانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ یہ سیر ملکوت انبیاء مقربان الٰہی اور مدعیان قرب الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے۔ اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی حد تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ ﴿الصلوٰۃ معراج المؤمنین﴾

## معراج نبوی ﷺ:

لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے اس لئے اس حظیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

## معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع:

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی اور ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں۔ صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی۔ جو لوگ تعدد کے قائل ہیں اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لئے انہوں نے رفع اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے[1] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جا سکے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ ایک ایسے اہم مافوق مشاہدہ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے راوی اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلا واسطہ واقفیت نہ تھی، اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔ خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور

---

[1] امام سہیلی نے بعض علماء کا مذہب شرح سیرۃ ابن ہشام میں بیان کیا ہے کہ ہر قصہ کا معراج جدا ہے جلد اول ص ۲۴۳ مصر۔

میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ ہاں بہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک و شبہ نہ ہوگا۔

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں کہ قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج آیا ہے۔ انہوں نے اس کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ قرآن کے پندرھویں پارہ میں اسراء کا جو بیان ہے، اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہی ہوا حالانکہ معراج میں تو آسمان کا سفر ہوا ہے اور عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا۔ بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا۔ قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں۔ اس بناء پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔ علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ ”یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہا کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے“۔[1] حافظ ابن کثیر نے تفسیر کے تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا۔ تاہم وقت کے متعلق اتنا تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا خود قرآن مجید میں ہے اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (یعنی لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔ ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں۔ تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز[2] کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مہینہ کے تعیین کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں۔ کوئی ربیع الاول کہتا ہے کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں بعض رمضان یا شوال کہتے ہیں۔ یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۶ مہینے پیشتر واقع ہوئی۔ ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے۔ اس بناء پر ۱۶ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا یا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں[3] ایک یہ کہ سنیچر کی شب تھی ۱۷ تاریخ تھی اور رمضان کا مہینہ تھا۔ ہجرت (ربیع الاول سنہ ۱ھ) سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے دوسری یہ ہے کہ ”یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے“۔ واقدی نے ان روایات میں کس قدر تصریح کے ساتھ دن اور تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی

---

۱　شرح مواہب جلد اول ص ۳۵۵۔

۲　صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ قبل آغاز وحی کے ہوا اس کا مطلب بعض فرشتوں کا آنا ہے۔ اصل معراج نہیں تفصیل آگے آئے گی۔

۳　ابن سعد جلد اول ص ۱۴۳۔

معاملات میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت روز یا تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند نا تمام ہے، دوسرے مجہولوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں۔ ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے روضہ میں اسی کو یقین کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی کو پسندیدہ اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو عمل کا غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔[1] اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسات، استنباطات اور مجازات سے جو اس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کرلیا جائے تو دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور تقدم زمانی، صحت کا رخ کس کی جانب ہے۔ چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں۔

| نام راوی | روایت | کیفیت سند |
|---|---|---|
| (۱) ابن سعد بواسطہ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص و ام سلمہ و عائشہ و ابن عباس و ام ہانی رضی اللہ عنہم | ۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل | ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہ سے نقل کی ہے۔ |
| (۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری | ہجرت سے ایک سال قبل | موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت ہے۔ |
| (۳) زہری بواسطہ سعید بن مسیب | = | |
| (۴) عروہ بن زبیر از حضرت عائشہ | = | = |
| (۵) قتادہ | = | = |
| | | = |
| (۶) [illegible] | = | یہ تابعی ہیں۔ |
| (۷) ابن جریج | = | = |
| (۸) ابراہیم بن اسحاق الحربی | ۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے | = |
| (۹) [illegible] بن قتیبہ | ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر | یہ مورخ ہیں۔ |
| (۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت عمرو بن العاص | ۲۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال پہلے | = |
| (۱۱) سدی | ہجرت سے ۱۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر | سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ |

[1] دیکھو زرقانی جلد اص ۳۵۵، ۳۵۶ [illegible]

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے دو مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک ہجرت سے پانچ سال قبل اور دوسرا بعثت سے پانچ سال بعد۔ پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۵۵ مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی، اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے مؤید ہیں لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرۃ مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے۔ زرقانی نے جلد اول فصل معراج میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے۔ افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر ص ۳۰ میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے چھ مہینے (ستۃ شہر) پہلے ہوئی۔ یہ درحقیقت ۱۶ ہے۔ ستۃ اشہر کے بجائے ستۃ عشر شہرا ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی امام بیہقی والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری [illegible] میں ہے۔ بعض مصنفین مثل علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے کسی اور نے ان کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کسی سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے۔ اس سے اشارۃً سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قدیم راویوں کا ایک بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے۔ ایک دو بزرگ ۱۸ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں۔ متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاسی تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ نماز بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔ پھر بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا۔ ان مقدمات کو یکجا کر کے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اسی وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیت نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ کس کو معلوم ہے کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے۔ اس لئے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

---

۱؎ یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے [illegible]

بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اسی جانب ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول سنہ ۱ھ سے ایک سال سے ڈیڑھ سال تک پہلے کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ و ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے۔ اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا بھی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے تھوڑے زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا کم و بیش، معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعیین مشکل ہے۔ جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں، ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الاول قرار پائے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول ہی رہے گا اور اگر یہ مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ۷ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

## معراج کی صحیح روایتیں:

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم اور مادی کائنات سے ماوراء اور قیاس، استنباط اور عقل انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روایتوں کی پیروی کی جائے۔ احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۲۵ صحابیوں کا نام بنام گنایا ہے اور حدیث و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ ان میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مرسل، منکر ہر قسم کی روایتیں ہیں۔ صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مفصلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی وغیرہ میں مختصراً اور متفرقاً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آگئے ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذرؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت انسؓ بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذرؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے۔ حضرت انسؓ نے تین طریق سے روایت کی ہے۔ ایک طریقہ میں (صحیح مسلم ج ۱ باب الاسراء اور صحیح بخاری کتاب التوحید) وہ تنہا راوی ہیں لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا یا کسی صحابی نے ان سے بیان کیا۔ دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت مالکؓ بن صعصعہ سے سنا اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے بھی سنا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے متعدد اکابر صحابہؓ

سے معراج کا واقعہ سنا تھا اور اسی لئے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے۔ تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے مثلاً ثابت البنانی، ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر۔ ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے۔ شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کے مخالف ہے اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ "ان کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے"۔

حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظاً لفظاً اور حرف بحرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ گو یہ دونوں بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں لیکن حضرت ابوذرؓ میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آ کر اسلام لا چکے تھے۔ حضرت مالکؓ بن صعصعہ انصاری ہیں۔ اس بناء پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

## معراج کا واقعہ:

الغرض جب اسلام کی سخت اور پر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے حرم ابراہیمؑ (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ انہوں نے پہلے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا پھر اس کو آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا پھر آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔ جب آپ ﷺ آسمان پر پہنچے تو جبرئیلؑ نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ "کھولو" اس نے کہا "کون؟" انہوں نے جواب دیا "جبرئیلؑ" اس نے پوچھا "کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" انہوں نے کہا ہاں! میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے سوال کیا "کیا وہ بلائے گئے ہیں؟" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپ ﷺ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں۔ جب وہ دائیں دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ پڑتی تھی تو وہ روتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس نے کہا "مرحبا اے نبی صالح! اے فرزند صالح!" آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں

نے کہا یہ آدمؑ ہیں اور ان کے داہنے بائیں پر چھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ داہنی جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لئے وہ داہنی جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ اور چھٹے پر حضرت ابراہیمؑ سے (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کی منازل کی تعیین نہیں بیان کی)۔ بہر حال حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کو اور یسؑ کے پاس سے لے کر گذرے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا "مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح!" آپ ﷺ نے نام پوچھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے نام بتایا پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیمؑ نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کو اوپر لے گئے اور آپ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ آنحضرت ﷺ اس عطیۂ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ "خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟" آپ ﷺ نے فرمایا پچاس وقت کی نماز۔ انہوں نے کہا "خدا کے پاس دوبارہ جائیے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی"۔ آنحضرت ﷺ گئے اور خدا نے ایک حصہ کم کر دیا۔ آپ ﷺ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ "دوبارہ خدا کے پاس جائیے، آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہوگی" آپ ﷺ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر کہا کہ آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں۔" آپ ﷺ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد ہوا کہ "گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس وقتوں کا ملے گا کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا"۔ حضرت موسیٰؑ نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت ﷺ کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ جان نہ سکے پھر آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت میں لے گئے، وہاں آپ ﷺ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں اور آپ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے۔[1]

کتب حدیث میں واقعہ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے۔ اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ ﷺ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے پہلی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ حطیم یا حجر[2] میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیلؑ آئے۔ حضرت

---

1. بخاری جلد اول باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء۔
2. حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں یہ کعبہ کی وہ جگہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بنانے کے وقت [illegible] عمارت سے باہر رہ گئی ہے اور اب [illegible] نہیں ہو گئی ہے۔

ابوذر غفاریؓ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں اور اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں منازل انبیا نہیں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی۔ [1] لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے' ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے' حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے' تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو محیط نہیں ہے' اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اصل خانہ کعبہ کی جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی' اس طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے سیلاب سے گر گئی' قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا' اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح ہے' اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور روسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے' آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے' نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کو حالت رویا میں فرشتے نظر آتے تھے۔ [2]

جس شب کو معراج ہوئی' آپ ﷺ اسی مقام [3] پر استراحت فرما رہے تھے' بیداری اور خواب کی درمیانی

---

[1] بخاری باب الانبیاء و باب المعراج

[2] بخاری کتاب التوحید و باب صفۃ ﷺ

[3] اس شب کو جس مقام پر آپ ﷺ استراحت فرما رہے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔ صحیحین میں حضرت مالکؓ اور حضرت انسؓ کی جو روایتیں ہیں ان میں بتصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اس کے ایک ہی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے آپ سو رہے تھے' یہ صحیحین کا بیان ہے' بعض سیرت کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی۔ ام ہانیؓ کا گھر شعب ابی طالب میں تھا' یہ روایت مشہور مورخ کلبی کی ہے اس میں بہت سی غلو و غریب و منکر باتیں مذکور ہیں۔ مسند ابویعلیٰ میں ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے' شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا' روسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب خیالات پیدا ہونے لگے' لیکن جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں روسائے قریش سے کہنے جاتا ہوں' میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے ان سے نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے' لیکن آپ نے نہ مانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے۔ ان روایتوں میں علاوہ اور ضعف روایت کے عشاء اور صبح کی نماز و جماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے کیونکہ یہ نماز پنجگانہ تو اسی شب معراج میں فرض ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کو صحیحین کے مقابلہ میں کیا درجہ اور کیا اعتبار ہو سکتا ہے' اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تھے۔ البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبرئیل آئے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپ ﷺ آرام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کرایا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے۔

ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ (ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے) اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے اور ہر ایک نے اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا' چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح! جب آپ ﷺ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے۔ آواز آئی کہ اے موسیٰؑ اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰؑ نے عرض کیا خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح! کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔[1] اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا جس نے آکر جب اس کو چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریلؑ اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ ﷺ کے سامنے نمودار ہوئے" پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾

اس وقت آپ ﷺ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے' رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو' کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا اور نماز آئی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ ﷺ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا امت پر پچاس وقت کی نماز۔ موسیٰؑ نے کہا میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے' آپ کی امت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آپ واپس جایئے اور عرض کیجئے۔ آپ ﷺ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ بار الٰہا! میری امت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں' حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہو گئیں۔ لوٹے

---

[1] کتب روایت کی غیر معتبر کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر)، ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل)، ابن اسحاق (دلائل النبوۃ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے۔ ان روایتوں کے ناقل ابو ہارون العبدی، ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں، ابو جعفر رازی کو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی نیز ان روایتوں میں بہت سی الفاظ منکر باتیں مذکور ہیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرؤیا) میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ کو دکھائے گئے تھے اس سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

بڑھتا اس واقعہ کے انکار کی سب سے بڑی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لا چکے تھے وہ گنے چنے لوگ تھے جو ہم کو نام بنام معلوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں۔ واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ ﷺ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ سمجھتے ہوں لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کو خیال افساد یا اور قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس لوگوں کے لئے آزمائش کہا ہے نہ فتنۃ للمومنین یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمائش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لئے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے کہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔

## کیا آپ ﷺ نے معراج میں خدا کو دیکھا۔

معراج کے مشاہدات میں شئون صفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ ﷺ نے دیکھی لیکن کیا ذات الٰہی بھی تجلی حجاب سے باہر آکر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپ مشرف ہوئے۔ بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبداللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے۔

﴿حتى جاء سدرة المنتهى و دنا الجبار رب العزة فتدلى حتى كان منه قاب قوسين او ادنى﴾ (بخاری کتاب التوحید)

آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ ان کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کئے اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے۔ صحیح مسلم باب المعراج میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر باقی چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فیہ و اخر و زاد و نقص (شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔ امام خطابی نے لکھا ہے کہ "صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث" اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے۔

﴿فانه كثير التفرد بمناكير الالفاظ التي لا يتابعه عليها سائر الرواة﴾

شریک ایسے منکر الفاظ تنہا بکثرت روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے ہم درس راوی نہیں کرتے۔

اور حضرت انسؓ سے واقعہ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے۔ امام نووی نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے[1]۔ علامہ ابن حزم نے بھی اس

---

[1] حافظ ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۃ اسراء میں ہے

کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے۔[1] بعض علمائے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی آرا نہیں ظاہر کی ہیں۔ نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ "وہ قوی نہیں" یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ "اس سے حدیث نہ بیان کی جائے" البتہ ابن سعد اور ابوداؤد نے ان کے وثوق کی شہادت دی ہے۔ اسی لئے محدثین کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو ان کی روایات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ (النجم۔۱)

محمد ﷺ کو پُرزور اور طاقتور نے تعلیم دی۔ وہ آسمان کے بلند تر افق پر تھا پھر قریب ہوا اور جھک آیا یہاں تک کہ وہ تیر تاپ کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا پھر اس کے بندے کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا، وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو، حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس کے پاس جنت الماویٰ ہے، اس نے دوسری مرتبہ بھی اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا، جب کہ سدرۃ کو چھپا رہا تھا، جس نے چھپایا تھا نگاہ تو جھپکی نہ بہکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔

یہی آیتیں جن کی بناء پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا۔ ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہ ؓ ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نومسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباس ؓ کی ملاقات ہوئی۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ اور محمد علیہما السلام میں تقسیم کر دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا اور آپ ﷺ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے مسروق حضرت عائشہ ؓ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی۔ وہ نہایت برہم ہوئیں اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں"۔ حضرت ابن عباس ؓ کے شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباس ؓ کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "ہاں سچ ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو، آنحضرت ﷺ نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا"۔[2]

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا کہ وہ تو نور ہے، میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے صرف ایک نور دیکھا۔[3]

---

[1] امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۵، ۴۰۶ و ۴۰۷ (مصر) میں نقل کئے ہیں۔

[2] یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۂ النجم میں ہیں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

[3] مسلم جلد ا ص ۹۳، باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۂ نجم۔

اکابر صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں بلکہ جبریلؑ کو دیکھا تھا اور انہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری، مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ تمام صحابہ میں حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک بار پوچھا کہ اماں جان! کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے۔ جس نے یہ روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے جھوٹ کہا ہے۔ خدا خود کہتا ہے۔

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ (انعام۔۱۰۳)

خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔

پھر فرماتا ہے۔

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾ (شوریٰ۔۵۱)

کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا۔ امام نووی شارح مسلم[1] نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے، آنحضرت ﷺ سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی ہے کہ آپ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا، لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے اسی مقام پر حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا، انہوں نے کہا ''اے ابوعائشہ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا''۔ میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی۔ میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور کہا اے ام المومنین جلدی نہ کیجئے۔ کیا خدا خود نہیں فرماتا۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴾ (تکویر)

اور اس نے اس کو افق مبین پر دیکھا۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ (نجم۔۱۳)

اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔

بولیں سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ

---

1. شرح صحیح مسلم نووی لکھنؤ ص ۹۷۔

عین اریھا رسول اللّٰہ ﷺ لما اسری بہ الی بیت المقدس ﴾ (بخاری باب الاسراء)

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہ "ہم نے جو رویا تم کو دکھایا، اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش" کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا جب آپ کو رات کے وقت بیت المقدس میں لے جایا گیا۔

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں "آنکھ کے دیکھنے" کو نہیں کہتے مگر ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے؟ جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

راعی کہتا ہے: فکبر للرؤیا و ھش فوادہ

متنبی کا مصرع ہے: و رؤیاک احلی فی العیون من الغمض

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں، ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ اس لئے حسب محاورہ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے لیکن حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے، یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی ﷺ دو مقامات میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ سمعت انس بن مالک یقول لیلۃ اسری برسول اللّٰہ ﷺ من مسجد الکعبۃ انہ جاء ثلثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم ایھم ھو فقال اوسطھم ھو خیرھم فقال اخرھم خذوا خیرھم فکانت تلک اللیلۃ فلم یرھم حتی اتوہ لیلۃ اخری فیما یری قلبہ و تنام عینہ و لا ینام قلبہ و کذلک الانبیاء تنام اعینھم و لا تنام قلوبھم ﴾ (کتاب التوحید)

انسؓ بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے آپ کے پاس تین شخص آئے اور آپ اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا ان (سونے والوں) میں جو سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا ان میں جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو، یہ رات ہو گئی پھر آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ ﷺ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ

---

۱؎ (ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی نبوت کے بارہویں سال تھی)۔

کا دل نہیں سوتا تھا۔ اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔

﴿سمعت انس بن مالك يحدثنا عن ليلة اسرى بالنبي ﷺ من مسجد الكعبة جاءه ثلثة نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم وقال آخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك فلم يرهم حتى جاء ليلة اخرى فيما يرى قلبه والنبي ﷺ نائمة عيناه ولا ينام قلبه وكذالك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم فتولاه جبريل ثم عرج به الى السماء﴾ (باب صفۃ النبی ﷺ)

انسؓ بن مالک ہم لوگوں سے آپ ﷺ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے۔ آپ کے پاس تین آدمی آئے۔ پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو۔ یہ تو ہو گیا پھر آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔ پھر جبریلؑ نے آپ ﷺ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لے کر آسمان پر چڑھے۔

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہاں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انسؓ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔

﴿فاستيقظ وهو في المسجد الحرام﴾

پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ "آپ ﷺ مسجد حرام میں سوتے تھے" اس کو ختم کر دیا ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا کر اور آگے پیچھے کر دیا ہے" اس لئے آئمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفاء میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے۔ دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالکؓ بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت ﷺ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

﴿بينما انا عند البيت بين النائم و اليقظان﴾[1]

میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالکؓ بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

﴿بينما انا في الحطيم مضطجعا﴾

اس اثناء میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر المعراج و صحیح مسلم باب الاسراء۔

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدری کے واسطے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا ایک آنے والا (جبرئیلؑ) آیا اور اس نے آکر مجھے جگایا اور میں جاگا" اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔ اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی تصریح ہے لیکن اس کا دوسرا راوی جھوٹا اور دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے [1] اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر میں (سورۂ اسراء) حضرت حسن بصریؒ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ "میں سو رہا تھا کہ جبرئیلؑ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا" لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصریؒ سے آگے نہیں بڑھتا۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے تھے۔ یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں۔

﴿عن محمد بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبة بن المغیرة ان معاویه بن ابی سفیان کان اذا سئل عن اسری رسول الله ﷺ قال کانت رویا من الله صادقة﴾

(ابن جریر تفسیر، سیرت ابن اسحاق ذکر معراج)

محمد بن اسحاق سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔

لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا ہے کیونکہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ دوسری روایت ہے

﴿حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثنی بعض ال ابی بکر ان عائشة کانت تقول ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولکن اسری بروحه﴾ (حوالہ مذکور)

ابن حمید نے ہم سے بیان کیا ان سے سلمہ نے سلمہ سے محمد بن اسحاق نے انہوں نے کہا حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپ کی روح شب کو لے جائی گئی۔

اس روایت کے سلسلہ میں محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکر صدیقؓ کے ایک شخص کا نام و نشان مذکور نہیں ہے اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔ تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج کو رویا یا روحانی کہنا قرن اول میں بعض لوگوں کا قول تھا۔ ابن اسحاق میں ہے کہ "حضرت حسن بصریؒ کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے"۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی۔ قاضی عیاض نے شفاء میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے

---

[1] حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ اسراء میں اس روایت کو نقل کیا ہے اس کے سلسلۂ سند میں دوسرا راوی ابو ہارون العبدی ہے جس کو ... رجال نے ... [illegible] ... جھوٹا ہے۔

﴿ اختلف الناس فی الاسراء برسول اللّٰہ ﷺ فقیل انما کان جمیع ذلک فی المنام والحق الذی علیہ اکثر الناس و معظم السلف و عامۃ المتاخرین من الفقہاء والمحدثین والمتکلمین انہ اسری بجسدہ ﷺ والآثار تدل علیہ لمن طالعہا و بحث عنہا ولا یعدل عن ظاہرہا الا بدلیل والاستحالۃ فی حملہا علیہ فیحتاج الی تاویل ﴾ (شرح مسلم باب الاسراء)

رسول اللہ ﷺ کی معراج میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور علماء متاخرین میں سے فقہاء اور محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں ہے کہ ”﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج) میں لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو“ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ”بندہ“ کو لے گیا۔ بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲) واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے اور آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔ سوار ہونا پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعہ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے۔ محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے۔

(۴) خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا؟

## معراج کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال:

میرے نزدیک معراج بحالت بیداری کے ثبوت کا صاف و صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں۔ اس لئے بے شبہ بیداری کا ہی واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے۔ اور وہ بھی جسم اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی

## رویائے مقصود روحانی ہے:

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ رویا نہیں سمجھتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا جو ہر انسان قریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں۔ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے، اس کا تعلق محض عارضی ہے، اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے دوری کے حجاب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشغولیت بدن سے باز رکھتی ہے۔ نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو ملکوت کی چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حالت انسان کی باطنی و روحانی قوتوں کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے۔ ایک دن تو ہر انسان مر جاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن انسانوں کی ایک صنف ایسی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے پرواز کر کے اپنے قفس عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفس عنصری کی طرف رجعت کرتا ہے۔ یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً "رویائے صادقہ" یا "رویائے نبوت" کہتے ہیں اور اسی کو عالم رویا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت ﴿وما جعلنا الرؤيا التي أريناك﴾ میں رویا کہا گیا ہے۔ یہی وہ رویا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور اسی کی طرف ان کی حدیثوں میں اشارہ ہے اور ابن ہشام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ

﴿ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولكن أسري بروحه﴾

(یعنی حضور انور ﷺ کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی)

کا بھی یہی مطلب ہے۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد[1] میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے

﴿نصه: و قد نقل ابن اسحاق عن عائشة و معاوية انهما قالا انما كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسده و نقل عن الحسن البصري نحو ذلك ولكن ينبغي ان يعلم الفرق بين ان يقال كان الاسراء مناما و بين ان يقال كان بروحه دون جسده و بينهما فرق عظيم و عائشة و معاوية لم يقولا كان مناما و انما قالا اسري بروحه ولم يفقد جسده و فرق بين الامرين فان ما يراه النائم قد يكون امثالا مضروبة للمعلوم في الصور المحسوسة فيرى كانه قد عرج به الى السماء او ذهب به الى مكة واقطار الارض و روحه لم تصعد ولم تذهب و انما ملك الرؤيا ضرب له المثال و الذين قالوا عرج برسول الله ﷺ طائفتان طائفة قالت عرج بروحه و بدنه و طائفة قالت عرج بروحه ولم يفقد بدنه

[1] جلد اول ص ۳۰۶ مصر۔

گیا حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی نہ گئی نہ ٹھہری صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لیے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھتے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آ جاتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر چڑھائی گئی بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے۔ آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا۔ انبیاء کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیاء کی روحوں کے ساتھ "رفیق اعلیٰ" میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ ﷺ پر کوئی سلام بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اسی تعلق سے آپ ﷺ نے شب معراج میں دیکھا کہ موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا حالانکہ معلوم ہے کہ موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ کو آپ ﷺ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا جہاں وہ قیامت میں روحوں کے لوٹنے کے وقت تک رہے گا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا جس طرح کہ (بعد وفات) آنحضرت ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے۔ جب سلام کرنے والا آپ ﷺ پر سلام کرتا ہے تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ جو شب معراج میں حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اسی طرح روح مبارک بذاتہ اوپر ہے۔ جو موٹی سمجھ اور بھدی طبیعت کا آدمی اس معاملہ کو سمجھ نہ سکے اس کو چاہیے کہ آفتاب کی طرف دیکھے کہ اس دوری اور بلندی کے باوجود اس کا تعلق اور رشتہ زمین سے قائم ہے اور اس کے اندر وہ اثر ڈالتا ہے اور نباتات و حیوانات کی زندگی اس کو حاصل ہے پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہا زیادہ ہے کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے جسم کا معاملہ اور ہے اور دیکھو آگ اپنی جگہ پر رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ روح اور بدن کا

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ ٹھہرا کر اس طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں

﴿ اما شق الصدر و ملؤه ایمانا فحقیقتہ غلبۃ انوار الملکیۃ و انطفاء لھب الطبیعۃ و خضوعھا لما یفیض علیھا من حظیرۃ القدس اما رکوبہ علی البراق فحقیقتہ استواء نفسہ النطقیۃ علی نسمتہ التی ھی الکمال الحیوانی فاستوی راکبا علی البراق کما غلبت احکام نفسہ النطقیۃ علی البھیمیۃ و تسلطت علیھا و اما اسراؤہ الی المسجد الاقصی فلانہ محل ظھور شعائر اللّٰہ و متعلق ھمم الملاء الاعلی و مطمح انظار الانبیاء علیھم السلام و کانہ کوۃ الی الملکوت و اما ملاقاتہ مع الانبیاء صلوات اللّٰہ علیھم و مفاخرتہ معھم فحقیقتھا اجتماعھم من حیث ارتباطھم بحظیرۃ القدس و ظھور ما اختص بہ من بینھم وجوہ الکمال و اما رقیہ الی السموات سماء بعد سماء فحقیقتہ الانسلاخ الی مستوی الرحمٰن منزلۃ بعد منزلۃ و معرفۃ حال الملائکۃ الموکلۃ بھا و من لحق بھم من افاضل البشر و التدبیر الذی اوحاہ اللّٰہ فیھا و الاختصام الذی یحصل فی سکانھا و اما بکاء موسٰی فلیس بحسد و لکنہ مثال لفقد عموم الدعوۃ و بقاء کمال لم یحصلہ مما ھو فی وجھہ اما سدرۃ المنتھی فشجرۃ التکون و ترتب بعضھا علی بعض و اجتماعھا فی تدبیر واحد کاجتماع الشجرۃ فی الغاذیۃ و النامیۃ و نحوھما و لم تتمثل حیوانا لان التدبیر الجملی الاجمالی فشبہ مناسبۃ الاشیاء بہ الشجرۃ دون الحیوان فان الحیوان فیھا قوی تفصیلیۃ و الارادۃ فیہ اصرح من سنن الطبیعۃ و اما الانھار فی اصلھا فرحمۃ فائضۃ فی الملکوت حذو الشھادۃ و حیاۃ النماء فلذلک تعین ھنالک بعض الامور النافعۃ فی الشھادۃ کالنیل و الفرات و اما الانوار التی غشیتھا فتدلیات الٰھیۃ و تدبیرات رحمانیۃ تلمعت فی الشھادۃ حیثما استعدت لھا و اما البیت المعمور فحقیقتہ التجلی الالٰھی الذی یتوجہ الیہ سجدات البشر و تضرعاتھا یتمثل بیتا علی حذو ما عندھم من الکعبۃ و بیت المقدس ثم اتی باناء من لبن و اناء من خمر فاختار اللبن فقال جبرئیل ھدیت الفطرۃ و لو اخذت الخمر لغوت امتک فکان ھو ﷺ جامع امتہ و منشاء ظھورھم و کان اللبن اختیارھم الفطرۃ و الخمر اختیارھم لذات الدنیا و امر بخمسین صلوۃ بلسان التجوز لانھا خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح اللّٰہ مرادہ تدریجا لیعلم ان الحرج مدفوع و ان النعمۃ کاملۃ و تمثل ھذا المعنی مستندا الی موسٰیؑ فانہ اکثر الانبیاء معالجۃ للامۃ و معرفۃ سیاستھا ﴾ ([illegible])

لیکن سچ یہ ہے کہ [illegible]

# قرآن مجید اور معراج

## معراج کے اسرار اعلانات احکام بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے یعنی

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (اسراء: ۱)

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گردا گرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج، عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے کل عنوانات کیا ہیں۔

۱۔ یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

۲۔ یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے متولی و کلید بردار بنائے گئے تھے ان کی تولیت اور کلید برداری کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آل اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے

(۳) کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے لیے مہلت کا عہد گزر گیا۔ فیصلۂ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے اب وہ آتا ہے کہ مسلمان اب ہجرت کرتے ہیں۔

(۴) رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت ﷺ کو ہجرت کا اذن دیا جائے گا جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

(۵) معراج کے احکام و شرائع

(۶) نماز پنجگانہ کی فرضیت

(۷) ثبوت قرآن کی صداقت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات

(۸) حضرت موسیٰ کے حالات اور واقعات سے استشہاد

### آنحضرت ﷺ کا نبی القبلتین ہونا:

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے متعلق خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو خبر دی تھی لیکن اس کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارض مقدس کا ان

دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت اسمٰعیلؑ کو ملا تھا۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوب کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسمٰعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنو اسمٰعیلؑ کا کعبہ تھا گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا اسی طرح حضرت اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا مجموعہ بھی ذات محمدی ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے دو بیٹوں میں بٹی چلی آتی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہوگئی اور گویا وہ "عقیقت ابراہیمیہ" جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہوگئی تھی ذات محمدی میں پھر یکجا ہوگئی اور آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا۔ یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ ﷺ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی صف میں آپ ﷺ کو امامت پر مامور کیا گیا تاکہ اس ارض مقدس و مبارک میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی کو عطا ہوئی ہے اور وہ ذی القبلتین تاجدار ہوئے ہیں قرآن مجید میں سورۂ اسراء کی ابتداء اور واقعہ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الاسراء : ۱)

پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں۔ بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

## بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا قیام:

بنو اسرائیل کو ارض مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے مجرم ہوں گے تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا اور غلامی و ذلت کی زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی۔ حضرت داؤد و سلیمانؑ کے عہد میں ان کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی وہ انہوں نے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (نبوکدنضر) کے ہاتھوں ان سے چھین لی گئی۔ ارض مقدس سے وہ جلا وطن کر دیئے گئے شہر یروشلم کھنڈر کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ جدا جدا کر دی گئی اور تورات کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پر تمام سچے انبیاء بنی اسرائیل نے ماتم کیا، خدا کے سامنے دست تضرع دراز کیا، بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر ان کو معاف کیا گیا اور انہی انبیاء کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کئے، تورات کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں

كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴾ (بنی اسرائیل - ۴)

خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو برا ٹھیرے گا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہنا۔ اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اوہ تک نہ کرنا اور ان کو نہ جھڑکنا، ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا۔ تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکر گذار ہے۔ اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہے ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تو تہی دست ہو جائے۔ تیرا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو ان کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ ان کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جایا کرو وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کو مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے ولی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور یتیم جب تک اپنی عقل و شعور اور جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو ان کے حق میں بہتر ہو عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کر دو تو پورا ناپ کر دو اور تول کر دو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے کیونکہ کان آنکھ دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل کہ تو (اس چال سے) نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہے۔ یہ تمام احکام دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنانا ورنہ تو

ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (بنی اسرائیل: ۳۹)

یہ تمام باتیں دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں۔

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے۔

﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾

پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ وحی کی

اس اجمال و ابہام کے اندر جس قدر احکام و ہدایات کا حصر تھا وہ یہی ہیں کہ جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے۔

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دین کے تمام ضروری اصول و اساس ہیں۔ کوئی اخلاق کی تفصیل پڑھنے کے بعد بیان کرنا چاہے تو ہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا۔ مختصر و سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شرک نہ کرو۔

۲۔ ماں باپ کی عزت و اطاعت کرو۔

۳۔ حق والوں کا حق ادا کرو۔

۴۔ اسراف نہ کرو اور افراط و تفریط کے بیچ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ چلو۔

۵۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

۶۔ زنا کے قریب نہ جانا۔

۷۔ ناحق کسی کی جان نہ مارنا۔

۸۔ یتیم سے بہتر سلوک کرو۔

۹۔ اپنا عہد پورا کرو کہ تم سے اس کی پوچھ ہوگی۔

۱۰۔ ناپ تول میں پیمانہ و ترازو کو ٹھیک پورا رکھو۔

۱۱۔ نامعلوم بات کی پیروی نہ کرو۔

۱۲۔ زمین پر غرور سے نہ چلو۔

یہی احکام شریعت کا نقش اولی اور نسخہ ہے جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور کی معراج میں عطا ہوئے تھے۔ (تورات سفر استثنا۔ ۵)

۱۔ میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔

۲۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے ([illegible])۔

۳۔ سبت کے دن کی یاد کر۔

۴۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔

۵۔ تو خون مت کر۔

۶۔ تو زنا نہ کر۔

۷۔ تو چوری نہ کر۔

۸۔ تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے۔

۹۔ تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ۔

۱۰۔ تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر۔

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰؑ کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے ان کی طرف اشارہ آئے گا۔

## ہجرت اور عذاب:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی و فطری قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول و قوانین بنا دیئے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔ منجملہ ان اصول و قوانین کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے تبلیغ کا پورا فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے۔ شریر قوم معجزات طلب کرتی ہے بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کئے جاتے ہیں اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بدبخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں۔ اب اسی قاعدہ کی تکمیل کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں۔

﴿ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل۔ ۶)

دنیا میں کافروں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے یا برباد نہ کر دیں یا اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (قریش کی) معجزات کے بھیجنے سے صرف اسی نے روکا کہ اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور جب ہم نے ان کو بھیجا تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ ہم نے ثمود کو اونٹنی کی صورت میں کھلی نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ان نشانیوں کو تو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں۔ یاد کر جب ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ تیرا پروردگار لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی) جو رؤیا تجھ کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش تھا اور اسی طرح قرآن میں ملعون درخت کا

درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور ہم ان کو عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی ہے۔

اس لئے حضرت آدمؑ اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے پھر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا . وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا . إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا . وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا . سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ○ ﴾ [بنی اسرائیل ۸]

ہم نے تم پر جو وحی کی ہے اس کے ذریعہ سے قریب تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری طرف جھوٹ منسوب کر دو اور اس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف تھوڑا سا جھک چلے تھے، اگر ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے دو گنے عذاب کا مزہ چکھاتے اور پھر تم کو ہمارے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور یہ لوگ تم کو اس سرزمین سے قریب ہے کہ دل برداشتہ کر دیں تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں، اگر ایسا ہوا تو پھر وہ بھی تمہارے پیچھے بہت کم ٹھہرنے پائیں گے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور تم ہمارے دستور میں رد و بدل نہ پاؤ گے۔

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ معراج ہجرت سے تھوڑے دنوں پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے پر عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

## نماز پنجگانہ کی فرضیت:

اوپر گذر چکا ہے کہ نماز پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی، ارشاد ہوتا ہے

﴿ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا . وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ﴾ (بنی اسرائیل ۔۹)

آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب) سے لے کر رات کے اندھیرے (عشاء) تک نمازیں پڑھا کرو اور صبح کی نماز میں حضور قلب قریب ہوتا ہے اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھو، یہ تمہارے لئے نفل ہے۔ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود میں پہنچا دے۔

لدلوک الشمس (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر، مغرب نماز کے تینوں اوقات اور ان اوقات کے تعین کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ یہ معلوم ہے کہ دین محمدی ملت ابراہیمی کا نقش ثانی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کہیں کہیں دنیا میں آج بھی قائم ہے۔ اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اور اس لئے طلوع سے لے کر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ ملت ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات متعین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں یعنی

سورج ڈھلنے سے لے کر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاط نور اور زوال کے ہیں۔ آفتاب کے انحطاط کی تین منزلیں ہیں۔ ایک وہ جب سمت راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے یہ ظہر کا وقت ہے اور دوسری منزل وہ ہے جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے یہ عصر کا وقت ہے اور تیسری منزل وہ ہے جب سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز ادبار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے۔ غرض آیات بالا میں پنج گانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی (یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن کا افادہ ہے) سے ادا کی گئی ہے۔

## ہجرت کی دعا:

اس کے بعد ہجرت کے لئے دعا بتائی جاتی[1] اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ قبلہ کا فوراً خیال آتا ہے جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بت پوجے جا رہے تھے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل۔۹)

اے پیغمبر یہ دعا مانگو کہ خداوندا مجھے اچھی جگہ پہنچائیو اور (مکہ) سے اچھی طرح نکالیو اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیجیو اور اے پیغمبر اعلان کر دے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹ ہی جاتا تھا۔

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں اس لئے فتح مکہ کے دن جب خلیل بت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جا رہا تھا آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی۔[2]

## نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض:

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور ان کے لئے عذاب الٰہی کے نزول کا وقت قریب آ رہا ہے ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں کہ اب بھی ان کی تسلی ہو جائے تو یہ بلائے آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی وہ رک جائے گی۔

﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ۔ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ۔ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

---

[1] صحیح بخاری و مستدرک حاکم کتاب الہجرت (ا صحیح ترمذی تفسیر [illegible]

[2] صحیح بخاری باب فتح مکہ تفسیر آیت مذکور۔

آسمان پر چڑھ جاؤ اور اس تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی اس وقت تک باور نہیں کریں گے جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جس کو ہم پڑھیں۔ کہہ دے اے پیغمبر سبحان اللہ! میں خدا کا ایک قاصد بشر ہوں۔ ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے۔ کہہ دے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے۔ کہہ دے کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گذر گیا اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے خدا بس ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے۔ جس کو وہ راستہ دکھائے وہی راہ راست پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب وہ بجھنے کو ہوگی تو ہم پھر اس کو بھڑکا دیں گے یہ وہ سزا تھی ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدون نہیں رہتے۔ اے پیغمبر ان کافروں کی اس حجت سے تم پر یہ ایمان نہیں لاتے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے ان سے کہہ دو کہ اگر میرے اور میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا تو بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روک رکھتے کیونکہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔

ان آیتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے آسمان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لا کر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

## حضرت موسیٰؑ کے واقعات اور حالات سے استشہاد:

حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہما کے واقعات زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾ (مزمل۔۱)

(لوگو!) ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دہرایا گیا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنے دشمنوں کے اندر رہ کر زندگی بسر کی یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا۔ جس طرح موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی اسی طرح صنادید قریش بھی آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور بالآخر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو لے کر مکہ سے ہجرت فرمائی۔ جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰؑ کو طور پر خدا کی ہمکلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے اسی طرح آنحضرت

ﷺ کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکام و اسرار عطا ہوئے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کی ہجرت کے بعد فرعون اور اس کی فوج پر بحر احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شاہی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے اسی طرح کفار مکہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو عطا کی گئی۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا ظہور ہوگا اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہوگا چنانچہ سورۂ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا. قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا. فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ جَمِيعًا. وَقُلْنَا مِن بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا﴾ (بنی اسرائیل - ۱۲)

اور ہم نے (کوہ طور) پر موسیٰ کو کھلے کھلے نو معجزے دیے جس طرح محمد کو معراج میں عطا کئے تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (تمہاری عقل کھوئی ہے) موسیٰ نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان معجزوں کو آسمان اور زمین کے مالک نے ہی اتارا ہے اور اس نے ان کو دلائل بنا کر بھیجا ہے اور اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک ہونے کو ہو۔ فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو، جب قیامت کا وعدہ پورا ہوگا تو سب کو سمیٹ کر ہم اپنے حضور میں لائیں گے۔

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا ذکر ہے بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰ کے نو معجزات مراد لئے ہیں مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے سامنے سے دو یہودی گزرے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو ان پیغمبر سے چل کر سوال کریں، دوسرے نے کہا پیغمبر نہ کہو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہوگا) اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو نو نشانیاں کیا دی گئی تھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ یہ ہیں، کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ اور میدان جہاد سے نہ بھاگو اور (اس فقرے میں راوی کو شک ہے) خاص تمہارے لئے اے یہودیو! سبت کے دن زیادتی نہ کرو" یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بتایا

۱ [illegible]

ہے ایک تفسیر سورۂ بنی اسرائیل میں اور دوسرے ﴿باب ما جاء فی قبلة الید و الرجل﴾ میں اور دونوں جگہ کہا ہے کہ "حدیث حسن صحیح"۔

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمہ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں ان میں کسی قدر فرق ہے خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ لویں بات اچھی طرح یاد نہیں۔ یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے باقی احکام وہی ہیں جو توراۃ میں مذکور ہیں صرف طریق ادا اور تعبیر کا فرق ہے۔ توراۃ کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ بہر حال اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت ﷺ کے احکام دوازدہ گانہ میں ایک وجہ مماثلت ہے اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا۔

## معراج کے انعامات:

ان انعامات بشارت اور نماز پنج گانہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے۔ ایک یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا دامن مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمان خاص کے طور پر مرحمت ہوا[1] اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے۔

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (بقرہ۔ ۴۰)

پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے۔ یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور ان کی اطاعت کی تو اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے۔ خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جس نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے کئے اور برے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار اور ہم پر

---

[1] صحیح مسلم، باب الاسراء۔ اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں۔ یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن میں تمام سورۂ بقرہ کی فضیلت آئی ہے وہ یہی ہیں۔

یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے)۔

تیس برس کے سن کی روایت بھی جیسا ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد، صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارۂ ضیاء میں ہے (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٩٩) لیکن اس سلسلۂ روایت کا حال آپ سن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں۔ یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی آغاز وحی والی حدیث بخاری، مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل، صحیح اور محفوظ ہے لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابو عمران الجونی عن یزید بن بابنوس عن عائشہ ہے۔ یزید بن بابنوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابو عمران الجونی ہی نے روایت کی ہے، کسی اور نے اس کو نقل کیا ہے، عقیلی کی تہذیب (صفحہ ٣١٥ حیدرآباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ، ابو عمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے، معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابو عمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے؟ ابونعیم میں (صفحہ ٦٩ حیدرآباد) اس روایت کا جو سلسلۂ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بابنوس کے نام سے پر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گذر چکا۔ علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المحبر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ روایات گھڑنے والا کہتے ہیں، اس کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! جب آپ کو نبی بنایا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا، اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں"۔ فرمایا "اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا کہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے، اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی"۔

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس ہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے پھر اس میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنایا گیا اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور اس کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ٦ الہ آباد) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ٧) میں ہے۔ ان کے مشترک راوی بالترتیب ابو داؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی، عثمان بن عروہ بن عروہ بن زبیر ہیں۔ جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تحقیق کی ہے کہ ان میں وہم تھا، جن کے الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا

پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "اس کی متابعت نہیں کی جاتی" یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے ہیں۔ پھر بیہقی بھی واقعات شداد بن اوسؓ کی روایت سے ابو نعیم، ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہمی تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے۔ یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور ثقاہت سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی غریب باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

۱۔ اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں۔ اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے۔ جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ "عبداللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابو نعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ واقدی کا ہے۔ ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے (جلد ا صفحہ ۷۰) مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں۔ اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

۳۔ ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے "عبدالصمد بن محمد سعدی اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا بیان کرتے ہیں"۔ یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

۴۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

۵۔ ابن عساکر نے شداد بن اوسؓ صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک بوڑھے مرد نے خدمت نبوی میں آ کر آپ ﷺ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کئے۔ آپ ﷺ نے پورا پورا حال بیان کیا۔ منجملہ اس کے ایک واقعہ بچپن کے شق صدر کا بیان کیا۔ لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں۔ اس کے سوا اس کے سلسلہ سند کے بیچ میں ایک بے نام و نشان راوی ہے۔ اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی ہے جس میں ابو العجفاء ہے جو شداد بن اوسؓ صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۲۱ الہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے فی حدیثہ نظر اس کی حدیث محل نظر ہے حاکم کہتے ہیں لیس حدیثہ بالقائم یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں (تہذیب التہذیب ذکر ابو العجفاء)

حضرت شدادؓ بن اوس سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہٖ یہی واقعہ ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شدادؓ صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے یعنی روایت منقطع ہے کیونکہ مکحول نے حضرت شدادؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ مکحول

۱؎ دیکھئے ابن ... تہذیب التہذیب ترجمہ مکحول۔

## حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم:

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلۂ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد، ابن سعد اور دلائل ابونعیم میں ایک ہی سلسلۂ سند سے مذکور ہے یعنی حضرت انسؓ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا پھر شگاف کو جوڑ دیا پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، لڑکے دوڑتے ہوئے آپ ﷺ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمد مار ڈالے گئے، لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچے، دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ سینہ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے''۔ مسند ابن حنبل میں بھی حدیث اسی سلسلۂ سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی یہ کہ ''مجھ کو نظر آتے تھے'' کی جگہ یہ ہے کہ ''ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے''۔

اس سلسلۂ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں، سلیمان بن مغیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے، ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس ثابت میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے۔ حماد کی نسبت اسماء رجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا''۔ اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق تفتیش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ہیں انہی کو چن کر اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ میرا گمان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو دو کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے یہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو دو الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے ہیں کہ پہلے حضرت انسؓ سے ثابت کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں، پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر

ہے۔اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے بعد ازیں حضرت انسؓ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی' مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گذری ہو' مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا گذشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد' بغض' حصہ شیطانی' سکینت' تسلی' رحمت' شفقت' ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں' بایں ہمہ حماد حضرت انسؓ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں یہ مذکور نہیں۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف' جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا۔ ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے

## دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل:

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی' جو ہر انسان کے اندر ہے' اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے' ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

## شق صدر کی صحیح کیفیت:

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری' صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب کو آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے' آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرئیلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے' آپ ﷺ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے یا آب زمزم لے کر کوئی آپ ﷺ کے پاس آیا' سینہ مبارک کو چاک کیا پھر آب زمزم سے دھویا' اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد فرشتے آپ ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔[1]

## شق صدر کی حقیقت:

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے لیکن

[1] صحیح بخاری و مسلم و نسائی ابواب معراج و فرض الصلوۃ و مسند احمد روایات انسؓ وغیرہ۔

صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے برحق ان الفاظ کے ظاہری معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متشکل الفاظ و معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں معانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

﴿ اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقته غلبة انوار الملكية وانطفاء لهب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس ﴾[1]

لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا دل پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

دوسرے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدری الی کذا و کذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ الم نشرح لك صدرك، ووضعنا عنك وزرك، الذي انقض ظهرك ﴾ (الم نشرح)

کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو نہیں اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی۔

شرح کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں اسی سے طب کی اصطلاح "علم تشریح" اور "تشریح اجسام" نکلی ہے چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے اس لئے اس سے "تشریح امر" اور "تشریح کلام" "شرح بیان" اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سے ایک اور محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھ جانا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا کی ﴿ رب اشرح لي صدري، ويسر لي امري، واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي ﴾ (اے پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں)

انبیاء علیہم السلام کا علم و فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی علت و اسباب سے پاک و بری ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج و اثبات دعویٰ کے لئے گذشتہ تجربات اور منطق کے مقدمات اور ترتیب مقدمات کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بخود ہر بات کو سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی اور فیضان ربانی اور فہم فطری ہوتا ہے۔ اسی کا نام علم لدنی ہے "لدن" کے معنی عربی زبان میں پاس اور نزدیک کے ہیں۔ چونکہ یہ علم انسانی اکتساب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اسی

---

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ مصری ص ۱۵۲

کہ غیب سے عطا ہوتا ہے اس لئے اس علم کو علم لدنی کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (کہف)

ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

﴿كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾ (طہ۔۵)

اسی طرح ہم تجھ سے گذشتہ واقعات کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) عطا کیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے۔

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (یوسف۔۱)

ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو اس سے پہلے بے خبر تھا۔

سورۂ شوریٰ میں ہے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (شوریٰ۔۵)

اور اسی طرح ہم نے (اے محمد ﷺ) تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا، تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا۔ لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راہ راست دکھا دیتے ہیں۔

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

﴿يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ﴾ (مریم۔۳)

اے میرے باپ میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق ہے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ (نمل۔۲)

اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم بخشا۔

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے۔

﴿آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (یوسف۔۳)

ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں۔

﴿ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي﴾ (یوسف۔۵)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے۔

﴿وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (انبیاء)

اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت سلیمانؑ اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے۔

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (انبیاء)

ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی، اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر، تجربہ، امتحان، تحصیل و اکتساب، ذریعۂ معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علمی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں۔ صرف فہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفین، موجدین اور اکابر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا معلومات کا ایک مدت سے بند دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصب خاص کے ہزاروں مدارج ہیں جو انبیاء، اولیاء اور مومنین کو اپنے اپنے رتبے کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ (انعام-۱۵)

جس کی رہنمائی خدا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بے حد اصرار کیا کہ قرآن مجید کو اوراق و صحائف میں مجموعہ کیجئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکرؓ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آگئی۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا۔

﴿حتی شرح الله صدری لذلک﴾ (بخاری، جمع القرآن)

یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد سندوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟" فرمایا "قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔" پھر سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟" ارشاد ہوا "ہمیشہ رہنے والے گھر کا اشتیاق اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔"[1] یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کی روحانی تمثیل سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا ہے۔

[1] تفسیر ابن جریر طبری [illegible]

## شرح صدر کے لئے مناسب موقع ومصلحت:

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں "علم" کے ساتھ "حکم" کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ منصب شرعی ضرورتوں کے نظم وحکومت اور فیصلہ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی صحیح ادراک اور حاضر علمی کی ضرورت ہے۔ چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم کی دولت عطا کی جانے والی تھی اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے بھی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جو حواس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

# آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں نبیوں نے سابقین کے معجزے جس تفصیل و تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں۔ اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیہ الٰہی سے محروم تھی دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء ﷺ کی زندگی ان سے خالی تھی تو گزشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے رمز کا قصور ہے۔

## قرآن مجید میں آپ ﷺ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے؟

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت ﷺ کے معجزات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلاف منظر نمایاں ہے اس کے متعدد وجوہات اور اسباب ہیں جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی اس سے وہ مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

[۱] اس اختلاف منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گزشتہ صفحات میں قرآن مجید کے متعلق نظریۂ معجزہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اس کو سمجھا ہے وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، بصیرت اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس بنا پر اس کے لئے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا خود براہ راست اس کے اصول کے خلاف تھا چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

[۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں اس لئے قرآن مجید کو جب بھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان کے انہی چند حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس کی تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں ابھر کر نظر آتی ہیں اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو جو نشانیاں عطا ہوئی تھیں وہ اس قدر متنوع مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرہ کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی اس لئے یہ دلائل محمدی قرآن مجید کے سینکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کی طرح وہ ابھر کر نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

[۳] تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ یہ

ہم نے معجزات، خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اس بناء پر آنحضرت ﷺ کے آیات و دلائل بھی ذات محمدی کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں اس لئے عام لوگوں کا ذہن ان کو دلائل محمدی کے سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے جس میں ان کے بانی احکام اور ان کے پیغمبروں کے اقوال، حالات، سوانح، معجزات سب ملے جلے ہیں لیکن اسلام کے صحیفہ میں دو چیزیں ہیں ایک صحیفہ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں دوسرے حدیث و سنت جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود وثوق و اعتماد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے اس لئے خدا نے پیغمبر ﷺ کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث یہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند ذخیرہ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

## قرآن مجید سے آپ ﷺ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل:

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بناء پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ ﷺ کو معجزات اور نشانیوں سے معرا ظاہر کرتی ہیں لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کئے ہیں ان میں متعدد موقعوں پر آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) "کاہن" اور "ساحر" کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا گیا ہے۔ عرب میں کاہن کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے۔ اب اگر آپ ﷺ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور معجزات و خوارق کا صدور آپ ﷺ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطاب سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالئے۔

﴿ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ ﴾ (طور-۲۹)
سو تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ﴾ (حاقہ)
یہ (قرآن) کسی کاہن کا کلام نہیں۔

آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے۔

﴿ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴾ (صافات-۱)
جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا مضحکہ اڑاتے تھے اور ان کو جادو کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے۔

﴿ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ، وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴾ (زخرف۔۳)

اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

﴿ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ (احقاف۔۱)

حق کے منکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا یہ کھلا جادو ہے۔

﴿ هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴾ (انبیاء۔۱)

یہ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں، کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔

﴿ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ﴾ (یونس۔۱)

کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادوگر ہے

حضرت عیسیٰ نے آپ کی آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے بعد ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ (صف۔۱)

پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی نشانی لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے کچھ خارق العادت باتیں ظاہر ہوئی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دلوں کو تسلی دیتے تھے اور اسی سے آپ ﷺ کے صاحب معجزہ ہونے کا قطعی اور یقینی ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

## قرآن مجید میں آپ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں:

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائیں۔ تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لئے معجزات و نشانیاں، دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور، اور تیسری وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر پورا اترا ہے۔ آئندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔

کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کمربستہ ہوں۔

سورۂ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (ہود: ۲)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنا لیا ہے تو کہہ دے کہ دس ایسی بنائی ہوئی تم بھی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں ان سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورۃ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے۔

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (بقرہ: ۳)

اور اگر تم کو اس میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورۃ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ (بقرہ: ۳)

تو اگر تم ایسی سورۃ نہ بنا لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اسی کے ہم معنی دوسری آیت سورۂ یونس میں ہے

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (یونس: ۴)

کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ خدا کے سوا جس کو چاہو مدد کے لئے بلا لو اگر تم سچے ہو۔

پھر سورۂ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو۔

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ (طور: ۲)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی وہ پیش کریں۔

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے؟ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

۱۔ بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا قرآن مجید نے اس کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا۔ ان کے کلام کا تمام تر سرمایہ شعر تھا۔ قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا لیکن اہل عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا مگر

اس میں تکلف اور تصنع نہ تھا۔ قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا۔ قرآن کے مطالع، مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ سب اعجاز میں داخل ہے۔

۲۔ معتزلہ سے جاحظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجز قرار دیتے ہیں۔

۳۔ نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری [1] یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازی بھی اس کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں [2] کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لا سکے۔

۴۔ بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشین گوئیاں ہیں جو انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہیں۔

۵۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا ہے جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔

۶۔ کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، ہیچ و عمدہ غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

۷۔ ایک وجہ آدمیوں کی پیدا کی ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک امی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا۔ [3]

۸۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خرق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

۹۔ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات، تعلیمات اور ارشادات ہیں۔ [4]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں اور نہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک ہی میں محدود ہو۔ قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کو اپنے ذوق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے۔ کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقادان فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے کوئی اس کی زیبائش و آرائش کی مدح کرتا ہے تو درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے۔ حافظ و سعدی کے کلام کا معترف کون نہیں؟ لیکن لوگوں سے ان کے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بحریں نہایت مترنم اور موسیقیانہ اختیار

---

[1] الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن۔

[2] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۸۔ تفسیر آیہ وان کنتم فی ریب

[3] متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف، اعجاز القرآن باقلانی، الاتقان سیوطی، الفصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں۔

[4] شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولوی [illegible] نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی [illegible] اختیار کیا ہے۔

کرتے ہیں، کوئی طریقہ ادا اور اسلوب بیان کی تعریف کرتا ہے، بعض ہاتھ میں ان کے الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش نظر ہیں۔ کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے، بعضوں کے نزدیک ان کی معنی آفرینی، جس فلسفہ، حکمت اور دل پذیر موعظت ان کے کلام کا منتہائے کمال ہے۔

عباراتنا شتی و حسنک واحد       و کل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے۔ ہر شخص اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصا کیا جائے جن میں اس کے اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ متعدد مختلف نظر آتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کے وجوہ اعجاز میں اس قدر متعدد اور گونا گوں اطراف ہیں کہ ان میں کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے کہیں تو اپنی تعلیم و ارشاد کی مدح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوت جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتایا ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک امی کی زبان کو پیام حق ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی جامعیت و تمامی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کو نور، ہدی، حکمت، اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا مجموعہ کہتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں۔

فصاحت و بلاغت:

﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ (نحل)

جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ کھلی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے معانی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (شعراء)

یہ قرآن ایسی عربی زبان میں ہے جو اپنے معانی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ﴾ (زمر)

قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں

﴿قُرْآنٍ مُبِينٍ﴾ (حجر و یس)

اپنے معانی کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن

یکسانی اور عدم اختلاف:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (نساء)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے

قوت تاثیر:

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ (قمر)

ان کو [قرآن کے ذریعہ سے اگلی امتوں کے اسے حالات سنائے جا چکے ہیں جو ان کی تنبیہ کو کافی تھے۔ یہ قرآن دل نشین حکمت ہے لیکن ان کو ڈرانا کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے کیونکہ اس کی ایک ایک آیت میں تسخیر کی طاقت ہے۔

﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ (احقاف-۱)

جب ان کافروں پر ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ حق جو ان کے پاس آ گیا ہے اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

کفار کہتے تھے کہ جب محمد لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو تاکہ لوگ اس کو سن نہ سکیں

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (فصلت-۴)

کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو شاید تم جیت جاؤ

## تعلیم و ہدایت:

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ (بقرہ)

یہی وہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ پرہیزگاروں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ (اسراء-۱)

یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے۔

﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ﴾ (قصص-۵)

کہہ دے کہ قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (مائدہ-۳)

تمہارے پاس روشنی اور معانی کو ظاہر کرنے والی کتاب آ چکی۔

﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ (بقرہ)

ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں۔

﴿وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ﴾ (انعام-۲۰)

یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل ہدایت رحمت آ گئی ہے۔

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (اسرا-۱۰)

ہم قرآن سے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔

﴿ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۔ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۔ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ﴾ (حم سجدہ-۵)

یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا۔ یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اے پیغمبر تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا، تیرا پروردگار بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے۔ اگر ہم اس قرآن کی زبان عجمی کر دیتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کئے گئے، ہم عرب ہیں اور کتاب عجمی۔ کہہ دو کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (یونس-۶)

لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

﴿ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ﴾ (یٰس-۱)

حکمت والا قرآن۔

﴿ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ﴾ (ص-۱)

نصیحت والا قرآن۔

## قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں:

﴿ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ ﴾ (اسرا-۱۰)

جن و انس اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

﴿ وَلَنْ تَفْعَلُوا ﴾ (بقرہ)

یہ کافر ہرگز اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

## ایک امی کی زبان سے ادا ہونا:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۔ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا

عليك الكتاب يتلى عليهم ان في ذلك لرحمة وذكرى لقوم يؤمنون ﴾ (عنکبوت)

قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف ستمگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں کہہ دو کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں میں تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشان کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔

حفظ وبقا کا وعدہ

﴿ وانا له لحافظون ﴾ (حجر)

اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

﴿ ان علينا جمعه وقرآنه ﴾ (قیامت)

ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔

﴿ لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ﴾ (حم سجدہ)

اس قرآن کے پاس آگے اور پیچھے سے باطل آ سکتا ہے۔

قوت دلائل:

﴿ فقد جاءكم بينة من ربكم ﴾ (انعام)

یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آ چکی۔

﴿ قل فلله الحجة البالغة ﴾ (انعام)

کہہ دے کہ خدا ہی کے لئے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔

﴿ هذا بصائر من ربكم وهدى ورحمة لقوم يؤمنون ﴾ (اعراف)

یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لئے۔

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزہ کامل ہے۔ اس کے معجزہ کامل ہونے پر مختصر تر دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ سے جبکہ تیرہ سو برس گذرے کہ وہ صدق کی چٹانوں پر کھڑے ہو کر ایک امی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گذر گیا مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی۔ اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ ٹھیک اس وقت جب ایک امی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا[1] یہ دعویٰ اعلان عرب میں شروع ہوا اس عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان، شعراء اور آتش

---

[1] بخاری شریف

# اُمیت

## یعنی

## آنحضرت ﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

﴿ اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ (اعراف)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک تھے۔ قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾

یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے۔

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ﴾

تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔

سورہ جمعہ میں نہ صرف آپ ﷺ کے ذاتی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے امی ہونے کا اظہار ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ (جمعہ)

وہی خدا ہے جس نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

دوسری جگہ سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ (عنکبوت۔ ۵)

اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر! نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص نشانہ تھا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ﴾ (عنکبوت۔ ۵)

اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں۔ کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر [جو امی ہے] کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں اگلی امتوں

اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں۔ ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو، دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے، تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع کے ان ذرائع سے نا آشنا تھے۔ اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا۔ قرآن مجید میں آدم سے ولادت محمدی تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ واقعات آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریم اور زکریا کے قصہ میں کہا ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ (آل عمران۔ ۵)

یہ گذشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا قلم ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۙ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (قصص۔ ۵)

جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا لیکن ہم نے صدیاں اس کے بعد پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سناتا تھا، بلکہ ہم (تم کو) بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت کوہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم تجھ کو جو حاصل ہوا ہے) یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں فرمایا۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ﴾ (یوسف۔ ۱۱)

یہ اس گذشتہ زمانہ کے قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو، قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ (عنکبوت۔ ۵)

نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ (شوریٰ۔ ۵)

تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے۔ سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے

آنحضرت ﷺ کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گذری۔ بجز اس کے چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گذرے، علاوہ خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی۔ اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا۔

﴿تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا﴾ (ھود - ۴۹)

یہ گذشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کو بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں۔ تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے ان سے آگاہ نہ تھی۔

آنحضرت ﷺ کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گذری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا۔ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تب بھی آپ قریش کے مجمع میں تھے اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے، اس لئے آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے مگر انہوں نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد ﷺ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا۔

﴿قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (یونس - ۱۶)

اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے۔ ان کو یہ شک تھا کہ محمد ﷺ کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا۔

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ﴾ (نحل - ۱۴)

اور ہم کو بے تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا﴾ (فرقان - ۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض گھڑت چیز ہے۔ جس کو محمد نے گھڑ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں۔ وہ یقیناً ظلم اور جھوٹ کہتے ہیں۔

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمد نے چھپے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی اُمیت پر ان کو یقین تھا۔ مدعی آ کر

یہودیوں سے معاصر چند روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپ ﷺ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ امی شخص ہیں اور ہماری کتابوں کو انھوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں ورنہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے، نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپ ﷺ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس پر کفار نے کہا کہ محمد کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور آنحضرت ﷺ عربی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ بھی تعلیم قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔

آنحضرت ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے چچا ابوطالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو ورنہ یہود اگر دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ اگرچہ یہ واقعہ جیسا سیرۃ النبی جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے صحیح نہیں ہے۔ تاہم زمانہ سے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت کاملہ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپ ﷺ اس سے قرآن بنا لے۔ احکام و مسائل سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام اور تکمیل رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرام کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا۔ جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا کہ

حقیقت میں آپ ﷺ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب' تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا اور بے تاب تھے ان کے لئے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعۃً درہم برہم ہو جاتا۔ علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینہ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیونکر ابلتا رہا؟ قرآن شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے۔ مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آ کر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا۔

﴿ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (آل عمران۔۸)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی۔ چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے" خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ [۱] اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے۔ عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ "یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمد نے منظور کیا" قریش نے کہا "اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی۔ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے" آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ان کی حسب خواہش ترمیم کر دو۔ حضرت علیؓ نے کہا مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ یہ واقعہ بخاری' مسلم' نسائی' مسند ابن حنبل اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے۔ اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح [۲] ہے کہ ﴿ و ليس يحسن يكتب ﴾ اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں ﴿ و ليس يحسن ان يكتب ﴾ یعنی آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ "آپ ﷺ نے محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھ دیے۔" روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے دست

---

۱۔ صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام

۲۔ صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء۔

مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ "آپ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپ کو لکھنا پڑھنا نہ آ گیا۔" اور ایک اور روایت (جو واسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلولی عن سہل بن الحنظلیہ منقول ہے) کہ آپ ﷺ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر۔ وضعاً و نہایت ضعیف ہیں اس لئے آپ ﷺ کی امیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی ترجیح نہیں ہو سکتی۔ یہ ممکن ہے کہ ان پڑھ آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو قلم کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ قول مجازی و حقیقی کی تفصیل میں راویوں سے مسامحت ہوئی ہے۔ عموماً سلاطین اور امراء کا یہ دستور ہے کہ جو فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں محاورہ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ "عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا" "شاہجہان نے جامع مسجد بنائی" "فلاں بادشاہ نے یہ محل تعمیر کیا"۔ حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور انہی کی طرف سے وہ لکھایا بنایا گیا اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں ﴿كتب الى قيصر و كتب الى كسرى﴾ آپ ﷺ نے قیصر کو خط لکھا، کسریٰ کو خط لکھا مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے۔ مگر چونکہ آپ ہی نے لکھوائے تھے اس لئے ان کی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی۔ روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے دیہاتی جو نوشت و خواند سے عاری ہیں وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں مگر لکھنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں اس نے دوسروں سے لکھایا ہے۔ مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کو بار بار جو امی کہا ہے اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے؟ لیکن آپ ﷺ امی ہو کر امیوں میں پل کر کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے ناآشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ ناآشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی خبر بنی اسرائیل کے علماء کے سوا کسی کو خبر نہیں۔

﴿ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ، أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ (شعراء۔۱۱)

یہ تو تمہی گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں۔ کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔

# ذاتِ نبوی ﷺ کی حفاظت

﴿ واللہ یعصمک من الناس ﴾

انبیائے کرام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت و ظلمت، زور و ستم اور معصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس تنہائی و بیکسی کے عالم میں جس سے ہر نبی کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے، صرف ذاتِ قادر و توانا کا ہاتھ ہوتا ہے، جو ان کی تسکین و نصرت کا سہارا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰ فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰ رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقا و قیام کا جس کے لئے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے خود ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اس بیکسی و بے چارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف و خطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی۔

﴿ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا ﴾ (طور۔ ۲)

اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھ رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ ﷺ کا دشمن ہو گیا۔ آپ ﷺ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے۔ آپ ﷺ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے۔ آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں۔ سوتے میں آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا گیا۔ میدان جنگ میں آپ ﷺ پر نرغہ کیا گیا۔ کمین گاہوں سے آپ ﷺ پر حملے کئے گئے۔ غفلت میں آپ ﷺ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی۔ کھانے میں زہر دیا گیا مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ

ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان سچ ثابت ہوا۔

﴿ ان ربک احاط بالناس ﴾ (اسراء۔ ۶۰)

تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس نہ پائیں۔

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام و نشان تک نہ تھا، آپ ﷺ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست و برخاست رہا کرتی تھی۔ تاہم آنحضرت ﷺ نماز اور طواف کے لئے بے خوف و خطر وہیں تشریف لے جایا کرتے اور برملا ان کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے۔ چنانچہ قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیں۔ یہ خبر آپ ﷺ تک پہنچتی ہے مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمد کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے۔ اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہ نے سن لی تھی۔ وہ روتی ہوئی باپ کی

خدمت میں حاضر ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کی نگاہیں آپ ﷺ پر پڑتی ہیں تو وہ نگاہیں جو اب تک خون آشامی کے لئے تیار تھیں، خود سرنگوں ہو جاتی ہیں۔[۱] حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں۔ جن کو یہ کنکریاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپ کی پیشانی کو رگڑ دے گا۔ جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو چونک کر پیچھے لوٹ گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمد کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پر دار ہستیاں کھڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔[۲]

معلوم ہے کہ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے قریش کے تمام خاندانوں نے مل کر آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قریش کے بہادر رات بھر خانۂ اقدس کو پہرہ دے رہے تھے تاہم آپ ﷺ ان کے سامنے سے نکلے۔ زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ (یٰسین۔۱)

اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سو وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگا دی اور آنحضرت ﷺ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو دشمن آپ ﷺ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے جہاں آپ اور حضرت ابوبکرؓ چھپ کر بیٹھے تھے۔ وہ اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی مگر خدا نے ان کی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمد کو گرفتار کر لائے گا یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ راہوار پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور بڑھتے بڑھتے اس مقام کے قریب ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ پر بہ تقاضائے بشری اضطراب طاری تھا مگر آنحضرت ﷺ کی سکینت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ ﷺ نے دعا کی۔ یکا یک دفعتہً اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا۔ بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے اور وہ ذات محمدی ہماری گرفت سے باہر ہے۔ اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی اور آنحضرت ﷺ سے تحریری امان لے کر واپس پھر گیا اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔[۳]

شروع شروع میں جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہؓ جاں نثاری کی بنا پر راتوں کو آپ ﷺ کے گھر پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہؓ آپ ﷺ کے خیمے کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی۔

---

۱ مستدرک حاکم جلد اول ص ۱۶۳ و مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۳۔

۲ صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ ان الانسان لیطغیٰ

۳ دیکھو واقعہ ہجرت نبوی ﷺ۔

ہے۔ یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں۔ خدا کے کارخانۂ قدرت میں بھی ان کے وسیلہ اور تصرف کو دخل تھا۔ وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے، راستوں سے اٹھا لے جاتے تھے۔ لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے۔ ان کے بعض افراد انسان کے خواتین پر قبضہ کر لیتے تھے۔ غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیویاں شریک تھیں اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے۔

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ﴾ (انعام-۱۳)

اور ان مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے۔

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ (صافات-۵)

اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں۔

﴿بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ﴾ (سبا-۵)

(فرشتے قیامت میں ان سے کہیں گے) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقادات باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس نے دنیا کو صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی اور وہ خدا کی تھی۔ اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان۔ وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات۔ ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور برے، کافر و مومن، سعید اور شقی ہوتے ہیں جس طرح انسانوں میں۔ وہ بھی توحید و رسالت اور احکام الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلف ہیں جیسے عام انسان۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (ذاریات-۳)

میں نے جن اور انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا۔

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ (انعام-۱۶)

اے جن و انس کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیتیں سناتے تھے اور تم کو اس دن کے آنے سے ڈراتے تھے۔

قرآن کی نظیر لانے سے دونوں عاجز ہیں۔

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ﴾ (اسرائیل-۱۰)

کہہ دے کہ اگر انس و جن دونوں مل کر چاہیں کہ اس قرآن جیسا کوئی قرآن لے آئیں تو نہیں لا سکتے ہیں۔

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں۔

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ﴾ (رحمٰن-۲)

بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جاتا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہوتا جس کے بعد تا کمال عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی، ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب وخاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اس نے سطح زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین وملت کو منسوخ کر دیا۔ ان کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا۔ ملکوں کی شہنشاہیاں مل گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے۔ صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے۔ اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے۔ ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی۔ کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی۔ سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ دنیا کی ہر سمت کو انہوں نے چھان ڈالا۔ اس پر چند سال گذر گئے۔ آنحضرت ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لئے قبائل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا۔ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تحقیق حال کے لئے تہامہ کی طرف آئی تھی اس مقام پر گذر ہوا۔ اس نے جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو یک بار پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئی اور ان کو جا کر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی۔ [1]

﴿ قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا ۝ یھدی الی الرشد فامنا بہ ولن نشرک بربنا احدا ۝ وانہ تعالی جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ ولا ولدا ۝ وانہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططا ۝ وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذبا ۝ وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا ۝ وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا ۝ وانا لمسنا السماء فوجدنھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا ۝ وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد لہ شھابا رصدا ۝ وانا لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا ۝ وانا منا الصلحون ومنا دون ذلک کنا طرائق قددا ۝ وانا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض ولن نعجزہ ھربا ۝ وانا لما سمعنا

[1] یہ پوری تفصیل صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر فی الصبح میں ہے، امام بخاری نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ مثلاً تفسیر سورۂ جن و باب الجہر بقراءۃ صلوٰۃ الفجر و مسند ابن حنبل روایات ابن عباس ج ۱ ص ۲۵۲ و جامع ترمذی تفسیر سورۂ جن۔

مسعودؓ شریک نہ تھے اور نہ آنحضرت ﷺ نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔[1] بلکہ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ایک درخت نے کی[2] اور تفصیلی کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی۔ اسی واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گذرے ہیں۔ صحیح مسلم[3] ترمذی[5] اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے کہا نہیں لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں پایا۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا مگر آپ ﷺ نہیں ملے۔ ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھا لے گیا یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا۔ سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ ﷺ غار حرا کی طرف سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا مگر آپ کہیں نہیں ملے۔ ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی۔ فرمایا کہ رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زادِ راہ کی خواہش کی۔ میں نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گذریں ان کے لئے وہ کھانا ہو جائے۔[6]

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ یکایک آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے۔ لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ ﷺ مجھے ساتھ لئے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے۔ وہاں مجھ کو کچھ پرچھائیاں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ آگے بڑھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ پرچھائیاں آپ ﷺ کی طرف چلیں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جب فجر کا اجالا ہوا تو آپ ﷺ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا۔ میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں کیا حرج ہے؟ کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اسی سے وضو کیا اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ ﷺ

---

1. صحیح مسلم باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح۔
2. صحیح بخاری و مسلم باب مذکور و مسند احمد جلد اول ص ۴۵۶۔
3. صحیح مسلم باب مذکور۔
4. صحیح مسلم باب مذکور۔
5. ترمذی تفسیر سورہ احقاف۔
6. صحیح مسلم باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح و [illegible] ترمذی باب الاستنجاء۔

# شق قمر

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (قمر-۱)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے۔ آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔ انجیل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ (متی ۲۷: ۴۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ یہ نشانی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا۔

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾ (قمر-۱)

قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہو گیا اگر کفار کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس حالت میں اولاً تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا دوسرے یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوگا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا آیا ہے۔ قیامت سامنے آجانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو سحر یا جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی و دلائل ابونعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے۔ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جبیر بن مطعمؓ، علی بن ابی طالبؓ اور حذیفہ بن یمانؓ وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ ان عالی مرتبہ راویان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے۔ وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى فَقَالَ اشْهَدُوا وَذَهَبَتْ فِرْقَةٌ نَحْوَ الْجَبَلِ﴾ (بخاری، ترمذی تفسیر سورۂ قمر و صحیح مسلم)

ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے، چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے۔

﴿انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اشْهَدُوا﴾ (صحیح بخاری و مسلم)

نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ در حقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں۔ لیکن بجز مکہ کے دنیا کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم و ہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا۔ تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو۔ حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مؤرخوں نے ایسے عجیب و غریب واقعات کا ایک حرف بھی قلم بند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلم بند کرتے آئے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا۔ جو لوگ بیدار بھی ہوں گے وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو۔ یا تذکرہ کیا ہو تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہو گئی ہو۔ آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہو گئی۔ لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں۔ بلکہ بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے اور ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے، ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے، ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا۔ اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شد و مد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔ لیکن کیا یہ خاموشی اس

کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ ان وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک چیز ایک جگہ نظر آتی ہے دوسری جگہ نہیں آتی۔ بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالیؒ کا بھی اشعری رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

﴿ان اهل مكة سألوا النبي ﷺ ان يريهم آية فاراهم انشقاق القمر مرتين﴾ (صحیح مسلم)

اہل مکہ نے آپ ﷺ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔

ہم ان تمام پیچیدہ راستوں سے گذر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں۔ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی۔ یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی۔ اور مقصد صرف یہ ہے کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔ خواہ واقعی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔ جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے۔ پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور انہی کے لئے یہ آیۂ نبوت تھی اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور رویت کی حاجت نہ تھی۔ اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا ہو تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلاب میں سے کوئی انقلاب تھا جیسا کہ سینکڑوں اس قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ فلکیات اور علم بدء الخلق (کاسموگرافی اور نیچرل ہسٹری) میں مذکور ہیں۔ لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے صرف انہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔ ونعم ما حقق۔

# غلبہ روم کی پیشین گوئی

﴿الٓمّٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ (روم:۱)

آنحضرت ﷺ نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف و صریح، سب سے زیادہ معرکۃ الآرا غلبہ روم کی پیشین گوئی ہے۔

عرب کے چپ و راست دونوں پہلوؤں میں روم و فارس کی بڑی دو حکومتیں قائم تھیں۔ اس وقت ایران کا تاجدار خسرو پرویز اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال ۶۱۴ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوئی۔ اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا تاہم رومی حضرت عیسیٰ کے پیرو، اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اس لئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ و فرات کے کناروں پر آکر ملتے تھے۔ رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک، حدود عراق، شام، فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایرانیوں نے دو طرف حملہ کیا، ایک طرف تو وہ دجلہ و فرات کے کناروں سے شام کی طرف بڑھے اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائجان سے آرمینیا ہو کر موجودہ اناطولیہ میں داخل ہو گئے اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو دھکیل دیا۔ شام کی سمت میں انہوں نے پے در پے حملے کر کے اس ارض مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے چھین لیا۔ ۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی کے زیر سایہ آگیا۔ گرجے مسمار کئے گئے، مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانی فوج میں شامل ہو کر ۹۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا۔ شہنشاہ ایران کے قصر؛ قامت کی تیس ہزار مقتول مردوں سے آرائش کی گئی۔ ایرانی فتوحات کا سیلاب اس سے آگے بڑھ کر ۶۱۶ء میں پورے وادی نیل یعنی مملکت مصر پر پھیل گیا اور اسکندریہ کے ساحل پر جا کر تھما اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کر رکا اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرایا۔ شہنشاہ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے نصب کر دیئے اور سب دیکھتے دیکھتے عراق و شام و فلسطین و مصر و ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہو گئی۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوئے اور صلیب کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ رومی سلطنت کی اس بے بسی کو دیکھ کر رومی شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہو گئیں۔ افریقہ میں بھی شورش ہوئی، خود قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل و غارت گری میں مصروف ہو گئیں۔ غرض اس وقت سلطنت روم کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے۔

جنگ کا نتیجہ جب یہ خلاف امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو طبعاً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے۔ اس

وقت رومیوں کی جو افسوسناک حالت تھی وہ آپ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے، خزانہ خالی تھا، فوج منتشر تھی، ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں، شہنشاہ روم ہرقل بے حس، عیاش، بے پرواہ، سست اور بیکار سا ہو گیا تھا۔ ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔ رومی باج ادا کریں۔ ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار ریشمی کے تھان، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔ رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں۔ اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لے کر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے۔ "مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہئے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے گا۔"

کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکۂ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور غیر ذی زرع سرزمین کی سنسان پہاڑی سے ایک [illegible] امی نمودار ہوا اور واقعات عالم کے بالکل خلاف پروثوق لہجہ سے یوں گویا ہوا۔

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ (۳۰: ۱-۶)

رومی قریب ترین زمین میں مغلوب ہو گئے لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہو جائیں گے۔ خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہے مدد کرے۔ وہ غالب رحم والا ہے۔ خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے سچ ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی۔ اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا۔ آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا۔ مورخ گبن کے الفاظ میں "شہنشاہ ہرقل کی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا محض تماشائی تھا۔ جس طرح صبح و شام کا کہر آفتاب نصف النہار کی روشنی سے چھٹ جاتا ہے۔ دفعۃً ۶۲۲ء میں محلوں کا آرکاڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچائی گئی۔[1] جس وقت ہرقل اپنی مہم پر فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا تو لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ روم کی سلطنت کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے۔[2] لیکن عرب کے امی کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ٹھیک اسی وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی، رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا، مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے ساحل کی طرف دھکیل دیا۔

---

[1] تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء۔

[2] تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ ص ۲۰۷ مطبوعہ ۱۸۹۸ء۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔[1] واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرت ناک پیشین گوئی کی سچائی سے متحیر ہو کر کہتا ہے۔

''مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بطور مطالعہ کر رہا تھا اور میں اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں، اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کوئی پیشگوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا''۔[2]

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرت ناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔

مستدرک[3] (علی شرط الشیخین) اور جامع ترمذی[4] میں ہے کہ ''روم و فارس کی جنگ جب شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرفدار تھے کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے۔ اس وقت ایرانی روم کو دبائے جا رہے تھے۔ اس پر سورہ روم کی پیشگوئی نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشگوئی سنائی۔ مشرکین نے کہا کہ اس پیشگوئی کے لئے کوئی سال مقرر کرو۔ حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہئے تھی۔ چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوہ بدر کے موقع پر پیشگوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے''۔

غزوہ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں برس پیش آیا۔ اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہوگا۔ اس بنا پر پیشگوئی کا زمانہ ۵ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ بعثت یا ۱ھ ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیشگوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ بیان کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لئے شام آیا ہوا تھا اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا

---

[1] ترمذی تفسیر سورہ روم۔

[2] تاریخ زوال روم جلد ۳ ص ۳۰۰ و ۳۰۳ طبع مذکور۔

[3] جلد ۲ تفسیر سورہ روم۔

[4] تفسیر سورہ روم۔

# دیگر آیات و دلائل نبوی

## قرآن مجید میں

### طیرا ابابیل کی نشانی

آنحضرت ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی جس میں ابرہۂ اشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن قدرت نے آسمان کے ایک حقیر پرندے کے لشکریوں کے ذریعے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کرتے ہیں گو مشرکین عرب کی تائید کے لئے نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ ابرہۃ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہر حال مشرکین سے بہتر تھا۔ لیکن یہ خود آنحضرت ﷺ کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ ﷺ کی طرف روئے خطاب کیا ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ. أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ. وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ. تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ. فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ﴾ (الفیل)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ ان کی چالوں کو بے کار نہیں کر دیا؟ ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان پر کنکر کی پتھریوں سے مارتے تھے تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔

یہ سورۃ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت مکہ میں اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے ورنہ ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنہوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بلاواسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا۔ کفار جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے درپے رہتے تھے اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں ذرہ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی علانیہ تردید کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا اس لئے اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

### شہاب ثاقب کی کثرت:

آنحضرت ﷺ کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک تغیر اور انقلاب پیدا ہوا۔ جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک چلے جاتے تھے ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے۔

﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا. وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا﴾ (الجن)

ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت چوکیداروں اور شعلے والے تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے کو وہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنتا ہے تو تارے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔

## شرح صدر:

شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ نور ولطف سے معمور کیا جائے ایک دولت ربانی تھی جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا۔

﴿ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ (انشراح)

اے محمد! کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا، یا چاک نہیں کر دیا

احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے مگر بہر حال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم وحکمت اور معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو، ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

## مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر:

آنحضرت ﷺ نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پر اسرار سفر کیا، قرآن نے ان الفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے۔

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى ﴾ (اسراء: ۱)

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

## قریش پر قحط سالی کا عذاب:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ ﷺ نے ان کو بددعا دی کہ "خداوندا! ان کو سات سال تک قحط میں مبتلا کر جس طرح تو نے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں سات سال تک مسلسل قحط کو قائم رکھا تھا" چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے، یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ "اے محمد! تم خدا کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہو حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے، اس کے لئے خدا سے دعا کرو۔" آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا۔ اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی تو قوم قریش کے مقابلہ میں خدا نے آپ ﷺ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آخر اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا، وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی چنانچہ سورہ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔[1]

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ

[1] صحیح مسلم تفسیر سورہ دخان

مَجْنُونٌ، إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ، يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴾ (دخان-۱)

اس دن کا انتظار کرو جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا جو لوگوں پر چھا جائیگا۔ یہ نہایت تکلیف دہ عذاب ہے خداوند یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹادے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لئے بے نصیحت پکڑنا۔ حالانکہ ان کے پاس ایک رسول معلم کھلا آیا پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے اس عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں تم لوگ اسی قدیم حالت کی طرف عود کر جاؤ گے۔ ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا۔

## متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں:

کفار نے دارالندوہ میں چھپ کر آپ ﷺ کے قتل وغیرہ کے مشورے کئے۔ کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی۔ تاریخ' وقت' سب سے آگاہی ہوگئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت کی سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ ﷺ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرا تھا تاہم آپ ﷺ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انہی کے درمیان سے گذر کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے۔ آپ ﷺ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے۔ عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام وگذر گاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے صبح کو وہ آپ ﷺ کا پتہ لگاتے ہوئے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ﷺ ان کے سامنے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اقتضائے بشری سے گھبرا اٹھے مگر آپ ﷺ نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ بوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے۔ سیرت کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے تھے۔ کفار نے کہا اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر جب آپ ﷺ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ ﷺ کے تعاقب میں نظر آئے۔ چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ دفعۃً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تین بار یہی واقعہ پیش آیا۔ سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تاریخی شہادت ہے۔

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴾ (انفال-۴)

اور یاد کرو (اے پیغمبر) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔

**غزوہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ:**

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکے سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سرو سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی۔ مدینے سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ قافلہ اور یا یہ قریش کی فوج شکست کھائے گی اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا۔

﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ (انفال۔۱)

اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے۔

**غزوہ احزاب کی خبر:**

غزوہ احزاب جس میں دفعۃً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینے کے چاروں طرف امڈ آیا تھا واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی اور آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا۔ چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آ گئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آ گئی اور ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا۔

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴾ (احزاب۔۳)

اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا

**غزوہ احزاب میں آندھی:**

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے دشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضہ نماز بھی وقت پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ میں فاقے ہونے لگے۔ منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینے کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔ خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴾ (احزاب۔۲)

مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔

## غزوہ حنین میں نصرت:

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا۔ گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی لیکن اس میں بہت نوجوان تھے جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، کچھ مکہ کے نومسلم تھے جو ابھی صبر و ضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے۔ فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلہ ہوازن سے پڑا جو تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ مسلمان جونہی آگے بڑھے حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا۔ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا انہوں نے مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں۔ وہ پلٹے تو آپ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی۔ دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں میں مذکور ہے اور قرآن اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (توبہ۔۴)

خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور غزوہ حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا تو یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی، پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے، پھر خدا نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔

"نصرت خدا نے وہاں فوجوں" کے الفاظ سے قرآن مجید نے بیشہ خوق العلم اور غیر مادی تو زائع و وسائل کی تعبیر کی ہے۔

## غیب پر اطلاع:

غیب کا ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی خبریں، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات، کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیے جاتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ ﷺ کی صداقت کے قائل نہ تھے اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کی پردہ در ہے کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے۔

﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (توبہ۔۸)

منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔

امن سے بدل دے گا۔

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب و غریب تھی۔ مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم، بے کس اور ضعیف گروہ تھا جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر خانماں برباد کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آ کر چند نیک بندوں کے سایہ میں پناہ لی تھی۔ یہاں آ کر بھی اس کو اطمینان و راحت کی نیند نصیب نہ ہوئی۔ کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے، یہاں آ کر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صحابہؓ ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے۔ چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آ کر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا جب ہم کو اطمینان حاصل ہوگا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا۔ اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی[1] اور وہ پوری ہوئی۔ اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے۔

## قبائل عرب کی شکست ہوگی:

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے، اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، کفار کو جو شکستیں ہوئیں، قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا، خدا نے یہ اعلان عام کر دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

﴿ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ (قمر-۳)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ جتھا عنقریب توڑ دیا جائے گا اور وہ پیٹھ پھیر دیں گے۔

﴿ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴾ (فتح-۳)

اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

﴿ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ﴾ (توبہ-۲)

تم ان سے لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔

اور یہ تمام پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انہوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں۔

---

[1] [illegible] ص ۱۲۰۔

## قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدے کئے گئے تھے جن میں سے بعض آپ ﷺ کی زندگی میں اور بعض آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے۔

﴿ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴾ (زخرف-۴)

پس اگر ہم تجھ کو اٹھا لیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھا دیں جس کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہے تو ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔

﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴾ (مومن-۸)

تو صبر کر خدا کا وعدہ یقینا سچا ہے تو جس بات کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں ان کو یا تیری زندگی میں دکھا دیں گے یا تجھ کو موت دیں گے تو وہ ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے۔

﴿ وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ﴾ (رعد-۶)

اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے ان سے کئے ہیں پورے کر دیں یا تجھ کو موت دے دیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ ہم اطراف و جوانب سے زمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں، خدا ہی کا حکم چلتا ہے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا۔

## فتح مکہ کی پیشین گوئیاں:

جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی وہ فتح مکہ تھی یعنی اس شہر پر قبضہ جہاں سے وہ نہایت بے کسی اور بے بسی کے عالم میں نکلے تھے اور جس کے حدود میں ان کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ گو اب مدینہ کے دارالسلطنت میں تھے تاہم وطن کی یاد ان سے کم نہیں ہوتی تھی۔ ان کو ہر قدم پر فتح ہوتی جاتی تھی لیکن ان کے دل کی اصلی تشفی کے لئے جس موعود مبارک کا انتظار کر رہی تھی وہ وطن کا پھر ملنا تھا۔ مگر بشارت الٰہی ہر قدم پر ان کے لئے تسکین کا پیام لا رہی تھی اور ہجرت سے ان کو واپسی کی بشارت دی جاتی تھی۔ سورۂ قصص میں یہ آیت اتری۔

﴿ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ﴾ (قصص-۹)

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔

یعنی مکہ[1] پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ قصص۔

ان کو ملی اور بہت سا مال غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے۔

﴿ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (فتح-۳)

خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم لو گے تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا کر دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور تا کہ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی ہو۔

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سر سبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مال غنیمت کا بے شمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

## یہود کو اعلان:

عرب کے یہود گو آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے تاہم یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشگوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا۔ مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ”وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کے لئے مخصوص ہے“ لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو وہ اس کے لئے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا کہ:

﴿ قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴾ (بقرہ-۱۱)

کہہ دو کہ آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے۔ خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴾ (جمعہ-۱)

کہہ اے یہود اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے۔ خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت ان کے لئے ممکن بھی تھی، تاہم قرآن مجید کی پیشگوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے علانیہ اس کی آرزو میں جان نہیں دی۔

## یہود کی دائمی ناکامی:

یہود سے جو ہمیشہ مقابلہ درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا۔ یہود عرب میں بڑی طاقت

# آیات و دلائل نبویہ

## بروایات صحیحہ

گذشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل بیان کئے گئے ہیں جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم ان کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصا مقصود ہے جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس قسم کے آیات و دلائل کا بڑا حصہ گو فرداً فرداً خبر احاد سے ثابت ہے مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا ابلنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا، دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا، ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تو بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کی بنا پر ان میں سے ہر قسم کے معجزات خبر متواتر نہیں تو خبر مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

البتہ بعثت سے پہلے جو واقعات آپ ﷺ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ ﷺ کو پیش آئے ان کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے، لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً وہی صحابہ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد بعثت کے بعد یعنی مدینہ کی پرامن زندگی کے شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلۂ روایات کا صحیح طریقے سے آغاز ہوا تو آپ ﷺ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنہوں نے آپ ﷺ کے بچپن اور جوانی کا عہد دیکھا تھا، کوئی موجود نہ تھا۔ والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے، دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا، چچاؤں میں ابولہب آپ ﷺ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب آغاز اسلام ہی میں مر چکے تھے، حضرت حمزہؓ کمسن تھے اور جنگ احد میں شہادت پا چکے تھے، حضرت عباسؓ صرف دو برس بڑے تھے، اس بنا پر محدثانہ اصول تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلۂ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں۔

بہرحال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے یہ واقعات بعثت سے پیچھے کے معلوم ہوتے ہیں، یعنی مکی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد سے جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ راویوں کی کثرت کے باعث منظم ہو چکا تھا، ملتے ہیں۔ بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً بعض واقعات اجسام و کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں، بعض تکثیر اشیاء کے ہیں، بعض استجابت دعا اور شفائے مرض وغیرہ کے ہیں، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

### خواب میں فرشتوں کی آمد:

نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے آغاز وحی سے پہلے رات میں تین فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے آپ اور دو آدمیوں کے ساتھ کعبہ کے حطیم میں آرام فرما رہے تھے ایک فرشتے نے پوچھا: "ان میں وہ کون ہے؟" بیچ والے نے جواب دیا: "ان میں جو سب سے بہتر ہے" تیسرے نے کہا: "تو ان میں سے بہتر کو لے لو" اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔[1]

---

۱؎ صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ تنام عینہ۔

# اشیاء میں اثر

اشیاء میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپ ﷺ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات نباتات حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہو گیا جس کی بنا پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافوق یا ان کے معمول کے برخلاف افعال حرکات اور اثرات رونما ہوئے، اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں مثلاً پانی کا خون ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا، ہتھیلی کا چمکنے لگنا، عصا کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا، چٹان سے پانی پھوٹ نکلنا، ہاتھ کے اٹھنے سے دشمن کا شکست کھانا، آنحضرت ﷺ کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گزر چکی اس کے بعد ستون حنانہ یعنی مسجد نبوی کے ستون فراق سے گریہ و بکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

**ستون کا رونا:**

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا، مسجد میں خرمے کے تنے کا ایک ستون تھا آپ ﷺ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے منبر تیار ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعۃً اس ستون سے بچہ کی طرح رونے کی آواز آنے لگی بعض روایتوں میں ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں، راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ وہ فراق سے اس سے جزع و فزع کی آواز سنائی دینے لگی یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین کے لئے ہاتھ پھیرا اور اس کو سینہ سے لگایا تو آواز بند ہو گئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کا رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا"۔ [۱] یہ واقعہ حدیث و سیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے۔ [۲]

**منبر کا ہلنے لگنا:**

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، جلال و کبریائی الٰہی کا بیان تھا آپ ﷺ خود بہت متاثر تھے حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ داہنے بائیں ہل رہے تھے اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا تھا کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ ﷺ کو لے کر گر نہ پڑے۔ [۳]

۱ صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و دارمی (باب خطبہ جمعہ)

۲ (۱) جابر بن عبداللہ (بخاری، نسائی، امام احمد، بزار، ابو نعیم) (۲) سہل بن سعد (مصنف ابن ابی شیبہ، ابن سعد، بیہقی، ترمذی تصحیح) (۳) عبداللہ بن عمر (بخاری، امام احمد، ترمذی) (۴) انس بن مالک (ترمذی، امام احمد، بیہقی، ابن ماجہ، بزار، ابو نعیم) (۵) ابی بن کعب (امام احمد، امام شافعی، ابن ماجہ، دارمی، ابو یعلیٰ، ابن سعد) (۶) عبداللہ بن عباس (امام احمد، ابن ماجہ، بیہقی، شرط مسلم، ابن سعد، بیہقی، دارمی) (۷) ابو سعید خدری (ابن ابی شیبہ، بیہقی، دارمی، عبد بن حمید، ابو یعلیٰ، شرط مسلم) (۸) ام سلمہ (ابو نعیم) (۹) مطلب بن ابی وداعہ (زبیر بن بکار، اخبار المدینہ) (۱۰) معاویہ (طبرانی، بیہقی) (۱۱) عائشہ (بیہقی، ابو نعیم)

۳ صحیح مسلم، بیہقی، ابن ماجہ، مسند امام احمد وغیرہ۔

**حافظہ بڑھ جانا:**

تمام صحابہؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے اور خود ان کے زمانہ میں بھی تھا لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں اور میرا آپ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا "جو اپنا کپڑا پھیلائے اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا۔" میں نے دامن پھیلایا۔ جب کلام مبارک ختم ہوا سینہ تک سمیٹ لیا اس وقت سے میں کوئی بات نہ بھولا۔[1]

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے جو آگے آئے گا۔

۱؎ صحیح بخاری مناقب ابوہریرہؓ۔

# شفائے امراض

﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیمار دلوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض اور عوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے۔ تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا تھا۔

## حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہل ابن سعدؓ تین جلیل القدر صحابیوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہؓ بن اکوع) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ ۱

## ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا:

حضرت عبداللہ بن عتیکؓ قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی۔ پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ ۲

## تلوار کے زخم کا اچھا ہونا:

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہ ہوئی، صرف نشان رہ گیا تھا۔ ۳

غزوہ حنین میں حضرت خالدؓ بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا۔ آپ ﷺ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ

---

۱ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مناقب علی و کتاب الجہاد و صحیح مسلم باب فضائل علی و مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۳۳۔ سہلؓ، سعدؓ اور سلمہؓ بن اکوع کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعدؓ کی حدیث صرف مسلم میں ہے۔

۲ بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ مختصر بیان ہوا ہے، یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔

۳ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مسند ابن حنبل جلد ۴ حدیث سلمہؓ بن اکوع۔

## گونگے کا بولنا:

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپ ﷺ نے پانی منگایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور تھوڑا اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا[1] اور بولنے لگا۔

## مرض نسیان کا دور ہونا:

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آنحضرت سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! میں قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا "اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو"، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور چند دفعہ ہوا اور پھر آ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔[2]

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آ کر بیان کیا کہ یا رسول اللہ مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں، آپ ﷺ نے پاس بلا کر ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی۔[3]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ، انہوں نے پھیلایا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔[4]

## بیمار کا تندرست ہونا:

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔[5]

ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ ﷺ کا گذر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر ان کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔[6]

---

1. سنن ابن ماجہ باب النشرۃ، ابو نعیم صفحہ ۱۹۶، ابن ابی شیبہ۔
2. جامع ترمذی ابواب الدعوات، مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۳۱۶، ذہبی نے بعض وجوہ سے اس روایت میں کلام کیا ہے۔
3. سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق۔
4. صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔
5. جامع ترمذی کتاب الطب۔
6. جامع ترمذی ابواب الدعوات، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

# استجابتِ دُعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے انبیائے الٰہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہو سکتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے اور ان کی دعاؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں' سمع قبول سے سنتا ہے' حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا' حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی' حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی' حضرت یونسؑ نے سمندر کی تہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا' حضرت زکریاؑ نے بقائے نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے بھی بارگاہ الٰہی میں دعائیں کیں' تنگی و حاجت مندیوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے' تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی' بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی' فقر و فاقہ میں اس کے خزانۂ غیب سے مدد طلب کی' حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی' نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفیع بنایا' شریروں کے دفع شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا اور ان میں سے ہر موقع پر آپ ﷺ کے لئے قبول و اجابت کا دروازہ کھولا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ صرف اسی تک نہیں بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی[۱] صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ ﷺ "یرحمہ اللہ" یعنی "خدا اس پر رحمت کرے" فرماتے تھے تو صحابہؓ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی[۲] چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا' یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ ﷺ کی دعوت حق کے سخت منکر تھے اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ آپ کی دعاؤں میں عجیب تاثیر ہے' مکہ میں جب قحط پڑا تو ابوسفیان نے بھی بحالت کفر ہی آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے رحمت کی درخواست کی[۳] ابوجہل وغیرہ روسائے قریش کے حق میں جو آپ ﷺ کی نماز میں مخل ہوتے تھے جب آپ ﷺ نے بد دعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے[۴] یہ واقعات چونکہ پہلے گذر چکے ہیں اس لئے یہاں موضوع بحث کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

## قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا' اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا

---

۱ مسند احمد بروایت حضرت حذیفہؓ۔

۲ صحیح مسلم باب غزوہ خیبر۔

۳ صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان وغیرہ۔

۴ صحیح بخاری کتاب الوضوء و مسلم باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔

روایت بھی ہے لیکن صدرجہ کمزور ہے علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کا اسلام مکی کا واقعہ ہے اور سورہ حدید مدنی ہے اس کو حضرت عمرؓ اس وقت کیونکر پڑھ سکتے تھے ہمارے استاذ مرحوم نے الفاروق میں یہ واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے لگا کر آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہوگئی اس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سن کر کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں" حضرت عمرؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی اور وہ سورہ طٰہٰ تھی اور جب اس آیت پر پہنچے۔

﴿ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴾ (طہ)

میں ہوں خدا کوئی خدا نہیں لیکن میں تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھے اور دراقدس پر حاضری کی درخواست کی۔ یہ روایت بہ سند[1] ابن سعد، ابو یعلیٰ، دارقطنی، حاکم اور بیہقی میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے لیکن صدرجہ کمزور ہے یہ دو طریقوں سے مروی ہے اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری روایت مسند ابن حنبل میں[2] خود حضرت عمرؓ سے ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے چھیڑنے کو نکلا آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریش کہا کرتے ہیں ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ﴾ (الحاقہ۔۲)

---

[1] طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا کہ وہ "بہ سند صحیح" مذکور ہے مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس درجہ کا ثابت نہیں ہوا۔ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً ذکر کیا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب نہی المحدث عن مس القرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ صفحہ ۵۹) کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے جو منکر ہے۔ مستدرک حاکم کی روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحنینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں تفصیل ذہبی میں دیکھو۔ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ہوتی ہے مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزردہ کرنا (بخاری اسلام سعید بن زیدؓ)، اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کے اسلام کے لئے دعا فرمانا (ترمذی و حاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں، بتاتا ہے کہ اصلیت کچھ ضرور تھی اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔

[2] مسند اول صفحہ ۱۷ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ایک راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے تاہم حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے۔

ان کی دل دہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ "تم دونوں نے مجھے بددعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں"۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس نے مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا۔ [1]

## مدینہ کی آب و ہوا کے لئے دعاء:

مدینہ کی آب و ہوا ابتداً تپ کی وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آ کر بیمار پڑ گئے اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آتا تھا۔ [2] یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ "الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے زیادہ محبوب بنا دے، الٰہی ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دے، اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے"۔ [3]

یہ دعا حرف بہ حرف قبول ہوئی، مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہوگئی وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکرؓ و بلالؓ جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اٹھے تھے اس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا، اور آنحضرت ﷺ کو یہاں سے وبا کا دور ہونا خواب میں دکھایا گیا۔ [4]

## قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا:

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جا کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ دعا کیجئے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو پانی برسا۔ [5] حضرت ابوطالب ہم رسول تھے ﷺ نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه　　ثمال الیتامی عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والا ہے، اس کے چہرے کے وسیلے سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے، یتیموں کا جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "آپ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپ کے چہرۂ مبارک کو تکا کرتا اور ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا تھا، آپ دعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مینہ پرنالہ زور شور سے بہنے لگتا"۔ [6] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم کے متعدد واقعات حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گزرے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت

---

1. بخاری باب علامات النبوۃ۔
2. ایضاً باب الہجرۃ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ۔
3. صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ باب حمایۃ المدینۃ۔
4. صحیح بخاری کتاب الرؤیا التعبیر۔
5. صحیح بخاری ابواب الاستسقاء۔
6. صحیح بخاری و سنن ابن ماجہ باب الاستسقاء۔

میں جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر کی زندگی میں ان کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا"۔[۱]

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر نکلے اور کھڑے ہو کر بارگاہ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی پھر قبلہ رخ ہو کر چادر الٹی اور دو رکعت نماز پڑھی ابر آیا پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے۔[۲]

دعائے نبوی سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن متواتر واقعہ حسب ذیل ہے جو متعدد طریقوں اور مختلف صحابہ سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ میں قحط پڑا، آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے لوگ بھوکوں مر گئے خدا سے دعا فرمائیے کہ ہم کو سیراب کرے آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، راوی کا بیان ہے کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا اور اب ایک آندھی چلی، بادل گھر آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکانوں تک پہنچے، ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا "یا رسول اللہ! مکانات گر گئے، دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے" آنحضرت ﷺ مسکرائے اور دعا فرمائی، بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا۔[۳]

ابن ماجہ باب الاستسقاء میں اسی قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اسی قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

## حضرت انسؓ کے حق میں دعائے برکت:

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں بطور غلام کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے ترقی مال و اولاد کی دعا دی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ "آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بکثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے"۔[۴] اور اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی۔[۵]

## حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم:

ایک بار آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر

۱ صحیح بخاری ابواب الاستسقاء۔
۲ بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقاء۔
۳ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و ابواب الاستسقاء و صحیح مسلم باب صلوۃ الاستسقاء بفرق تعدد۔
۴ مسلم فضائل انسؓ بن مالک۔
۵ ترمذی مناقب انسؓ۔

کے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی۔[1] چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے حبر الامۃ کا خطاب پایا۔

## حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت:

ایک روز آپ ﷺ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کھانا کھلایا اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کو نیند آ گئی۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ"۔ ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔[2]

## ایک نوجوان کی ہدایت کے لئے دعا:

حضرت ابوامامہ باہلیؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی۔ آپ ﷺ نے روکا پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دل دہی سے پوچھا کہ "تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے؟" عرض کی "آپ پر قربان نہیں یا رسول اللہ"۔ فرمایا "تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے نہیں پسند کریں گے۔ تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟" عرض کی نہیں یا رسول اللہ۔ تو فرمایا "تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے اس کو پسند نہیں کریں گے۔ تو کیا اپنی بہن اس کے لئے یہ پسند کرو گے؟" گزارش کی نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا "تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہیں کریں گے۔" پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ ﷺ نے پوچھا۔ اس نے وہی جواب دیا اور آپ ﷺ بھی یہی طرح فرماتے گئے۔ اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ خداوندا اس کے گناہوں کو بخش اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔ ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔[3]

## حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شفایابی کے لئے دعا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی۔ آپ ﷺ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول

1. مسلم فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔
2. بخاری کتاب الجہاد۔
3. مسند احمد جلد ۵ ص ۲۵۶ بحوالہ بیہقی شعب الایمان۔

اللہ میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم اچھے ہو جاؤ گے، پھر تین دفعہ دعا کی الٰہی سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے۔ چنانچہ ان کو شفا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے بعد چالیس برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

## حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا:

اسی طرح حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے حق میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا ان کو مستجاب الدعوات بنا۔ چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو بد دعا دیتے تھے وہ فوراً قبول ہو جاتی تھی۔ کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا، وہ ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا۔ ایک محلہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے فرمایا "خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور فتنے میں ڈال دے"۔ اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی پلکیں لٹک آئی تھیں تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعد کی بد دعا لگ گئی۔ [4] احادیث میں ان کی مقبولیت دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

## حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت:

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں۔ انھوں نے اس سے دو بکریاں خریدیں، ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا اور آپ ﷺ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا۔ [5]

## ابوامامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک فوج بھیج رہے تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو۔ فرمایا "خداوندا ان کو سلامت رکھ اور مال غنیمت دے" چنانچہ ہم گئے اور سلامت مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ پھر کسی فوج کے جانے کی میں نے پھر اسی طرح درخواست کی۔ آپ ﷺ نے پھر وہی دعا کی اور پھر وہی ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی موقع پیش آیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے

---

1. نسائی کتاب الوصیۃ۔
2. صحیح مسلم کتاب الوصیۃ۔
3. ترمذی مناقب سعدؓ بن ابی وقاصؓ۔
4. صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ۔
5. ترمذی باب [illegible]۔

درخواست جیسی کی قبول ہوئی، وہ سب بہتر اسود صحیح ہے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا۔ [۱]

## حضرت ابو طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا:

حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل سے فدا تھیں۔ ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا۔ حضرت طلحہ گھر سے باہر گئے تھے کہ بچے نے دم توڑ دیا۔ بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا۔ ابو طلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ "وہ آرام پا گیا"۔ ابو طلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے۔ دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے۔ ابو طلحہؓ صبح کو اٹھے، غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی۔ ابو طلحہؓ نے آ کر آنحضرت ﷺ کو شب کا ماجرا سنایا تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو۔ چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مدتوں کے بعد پوری ہوئی۔ [۲] ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابو طلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں۔ [۳]

## حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں اور ابو ہریرہؓ ان کو دعوت اسلام دیتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی۔ وہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی کہ "خداوندا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔" حضرت ابو ہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے۔ دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ﷺ کو مژدہ سنایا۔ آپ ﷺ نے خدا کا شکر کیا اور دونوں کو دعا دی۔ [۴]

## اونٹ کا تیز ہو جانا:

ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آ کر پھر

---

۱ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ اور بیہقی وغیرہ۔

۲ صحیح مسلم فضائل ابی طلحہ۔

۳ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ۔

۴ صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہ۔

دریافت فرمایا کہ "اے جابر! اب کیا حال ہے؟" عرض کی آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی۔ [1]

**بیمار کا اچھا ہونا:**

آپ ﷺ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے جو ضعف سے چوزہ ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی؟

﴿ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ (البقرہ۔۲۰۱)

خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی۔ [2]

**سواری میں قوت آ جانا:**

حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے جو گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کو ذی الخلصہ کے بت خانے کو ڈھانے کے لئے بھیجنا چاہا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا کی کہ خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس بت کو آگ لگا آئے۔ [3]

**ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا:**

آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے غرور سے کہا میں اس سے کھا نہیں سکتا۔ چونکہ اس نے غرور سے ایسا کہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کرے ایسا ہی ہو" چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔ [4]

**قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا:**

ایک بار حضرت طفیل دوسیؓ اپنے رفقاء کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ دوس کے قبیلے نے دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ ان پر بددعا فرمائیے" لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

---

1. بخاری کتاب الجہاد۔
2. صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراہت الدعا بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا۔
3. صحیح مسلم فضائل جریر بن عبداللہ بجلیؓ۔
4. صحیح مسلم باب آداب الطعام والشراب و احکامہا۔

﴿ اللّٰهُمَّ اهدِ دوساً وأتِ بِهِم ﴾ [1]

خداوند دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا۔

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔

## رفع بے پردگی کے لئے دعا:

ایک حبشی عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے مرگی کا دورہ ہوتا ہے جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں۔ میرے لئے دعا فرمایئے۔ ارشاد ہوا اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدا تم کو صحت دے۔ اس نے کہا میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کے لئے دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی۔ [2]

## سلطنت کسریٰ کی تباہی:

پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کر کے پھینک دیا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کو بددعا دی کہ اس کے بھی پرزے ہو جائیں [3] چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

## دعائے برکت کا اثر:

آنحضرت ﷺ ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ خداوند میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت دے۔ ایک تجارت پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت ہمیشہ صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ [4]

## طول عمر کی دعا:

ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل دے ورنہ وہ مر جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی۔ چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔

---

1 صحیح بخاری قصہ دوس کتاب الجہاد و صحیح مسلم فضائل غفار و اسلم و دوس وغیرہ۔

2 صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من المرض، کتاب البر والصلۃ۔

3 صحیح بخاری کتاب الجہاد۔

4 ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ صفحہ ۱۶۳ باب ما یرجی من البرکۃ فی البکور و مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ حدیث صخر الغامدی۔

# اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو۔ کئی کئی دن گذر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کا ہاتھ نہ تھامتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

## تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا:

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ ﷺ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں۔ گھر میں آ کر اپنی بی بی (ام سلیم) سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انسؓ سامنے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا "ابوطلحہؓ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟" انہوں نے کہا ہاں۔ آنحضرت ﷺ تمام صحابہؓ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انہوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں۔ آنحضرت ﷺ ابوطلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلیمؓ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے گھی کا برتن انڈیل دیا جس نے سالن کا کام دیا۔ لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپ ﷺ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔[1]

## چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا:

حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی، قرض داروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں۔ صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلیے تا کہ آپ کے ادب سے قرض دار مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ۔ آپ ﷺ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

اور جس قدر کھجوریں قرض داروں کو دی گئی تھیں اتنی ہی بچ رہیں۔ ۱

## کھانے میں حیرت انگیز برکت:

چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ ہی کے یہاں کھانا کھایا اور آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس لئے کسی قدر رات گذر گئی۔ وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومانؓ نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا۔ وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومانؓ کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر میں صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپ ﷺ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے خدا جانے کتنے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔ ۲

## گھی کی مقدار میں برکت:

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آنحضرت ﷺ کو گھی بھیجتی تھیں۔ نچوڑتی تھیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔" ۳

## جو کی مقدار میں برکت:

ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا آپ ﷺ نے تھوڑے سے جو دے دیئے اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روزانہ اپنے لئے اپنی بیوی کے لئے اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اس کو نہ تولتے

۱۔ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

۲۔ بخاری باب علامات النبوۃ۔

۳۔ صحیح مسلم باب معجزات النبی ﷺ ...

تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا ہے۔

## کھانے میں حیرت انگیز اضافہ:

غزوہ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی۔ حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا۔ گوشت دیگچی میں چڑھا دیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کو بلانے کے لئے چلے۔ بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے۔ لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ "آؤ جابرؓ نے دعوت عام کی ہے" اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آؤں چولہے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا میں کیا کروں تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی۔ آپ ﷺ آئے تو بی بی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا کی۔ پھر اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا۔ کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے، سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ [۱]

## تھوڑی سی زادِ راہ میں غیر معمولی برکت:

غزوہ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی۔ آپ بچا کھچا زادِ راہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعائے برکت کریں۔ ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے۔ آپ ﷺ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زادِ راہ جمع کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی۔ پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں۔ لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا، یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا۔ [۲]

## تھوڑی سی زادِ راہ میں عظیم برکت:

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے۔ صحابہؓ بھوک سے اس قدر بیتاب تھے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے زادِ راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا۔ اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور آدمیوں کی تعداد چودہ سو تھی۔

---

۱ صحیح مسلم باب معجزات النبی و مسند احمد بن جابر۔

۲ بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۸ غزوہ خندق۔

۳ صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۴۳ کتاب الایمان۔

لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ ﷺ نے اس کو پیالے میں انڈیل دیا اور چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ [۱]

## آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت:

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے۔ ایک سو تیس آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھونے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی۔ گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھر گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔ [۲]

## تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت:

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں۔ وہ گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟ حضرت انسؓ نے گھر میں آ کر پوچھا تو حضرت انسؓ نے آپ ﷺ سے آ کر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ۔ اس طرح چالیس آدمی دس دس کر کے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ [۳]

## قلیل تعداد میں کثیر برکت:

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں رکھ کے حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انسؓ کھانا لے کر گئے تو آپ ﷺ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں۔ تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے۔ لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے پتہ معلوم ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھا کر رکھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ [۴]

---

۱ مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۶ مصر، باب خلط الازواد اذا قلت۔

۲ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۱ کتاب الاطعمہ۔

۳ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۱ کتاب الاطعمہ۔

۴ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۰۵ مصر، کتاب النکاح۔

## ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت:

سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر رسد کیونکر ہوتی جاتی تھی۔ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہاں سے۔ ۱؎

## دودھ کے پیالہ میں برکت:

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا۔ وہ گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ گذرے۔ انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گذر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کے چہرہ کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے۔ آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا ایک پیالہ بھرا ہوا نظر آیا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو یہ ناگوار گذرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا۔ لیکن آپ ﷺ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا۔ مجبوراً اصحاب صفہ بلا لیے گئے اور سب کے سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت ابوہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا۔ جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں۔ آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپ ﷺ ان کو مسلسل پلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا۔ بسم اللہ کر کے پی گئے۔ ۲؎

## بکری کے دست میں برکت:

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا۔ چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا دست نہایت مرغوب تھا انہوں نے آپ ﷺ کو دونوں دست دیئے۔ جب آپ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔ ۳؎

## بکری کے تھنوں میں برکت:

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور

---

۱؎ ترمذی ص ۶۰۰ باب ماجاء فی آیات نبوت النبی ﷺ۔

۲؎ بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۶ کتاب الرقاق۔

۳؎ شمائل ترمذی باب صفت ادام رسول اللہ ﷺ۔

تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی۔ بالآخر ہم سب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ہم کو گھر لے گئے۔ وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوہ کر پیا کرو۔ چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کر اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے۔ ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تو شیطان نے مجھ کو بہکایا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحفے پیش کرتے ہیں اور آپ ان کو تناول فرماتے ہیں۔ آپ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں۔ میں اس کے دھوکے میں آ گیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا۔ جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا ہوا کہ کم بخت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین اور دنیا سب برباد ہو جائے گا۔

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد دودھ کھولا تو آپ ﷺ کا حصہ غائب تھا۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کہ اب آپ مجھ پر بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی "خداوند جس شخص نے مجھ کو کھلایا اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا اسے پلا۔" اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دودھ ہوگا کہ اس میں دوہا جائے گا۔ لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا اور اوپر جھاگ نظر آنے لگا۔ میں نے وہ دودھ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنا حصہ پی چکے؟ میں نے کہا آپ پی لیجئے۔ آپ ﷺ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کی کہ آپ نوش جان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پی لیا اور مجھے عنایت فرمایا۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سیر ہو گئے اور آپ کی دعا کی برکت میں میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا [1] "یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے" میں نے کہا کہ جب میں نے آپ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ کسی اور نے پایا یا نہیں۔

**ایک وسق جو کی برکت:**

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا۔ میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ مدتوں ہوتے سے چلتا رہا تاآنکہ میں نے ناپ لیا تو پھر وہ ختم ہو گیا گویا ناپ کی وجہ سے برکت جاتی رہی۔[2]

**توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا:**

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں۔ ایک آنحضرت ﷺ کی

---

1۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ مصر باب اکرام الضیف۔

2۔ صحیح بخاری و مسلم۔

### پانی کا بڑھ جانا:

آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آیا تو صحابہؓ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا پھر پیالے پر آپ ﷺ نے انگلیاں پھیلا دیں۔ پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔[1]

### انگلیوں کی برکت:

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً اسی آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔[2]

### انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا:

صلح حدیبیہ کے دن صحابہؓ پیاس سے بے تاب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہؓ آپ ﷺ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے۔ آپ ﷺ نے اس بے تابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے۔ سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔[3]

### کلی سے پانی بڑھ جانا:

دوسری روایت ہے کہ صحابہؓ جس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اوپر لیا، یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی۔ تھوڑی دیر میں اس قدر ابلا کہ تمام صحابہؓ اور صحابہؓ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔[4]

### ہاتھ منہ دھونے کی برکت:

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو دو وقت کی نماز یں ایک ساتھ پڑھتے جارہے تھے۔ ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز

---

1. صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک۔
2. صحیح بخاری باب معجزات۔
3. صحیح بخاری باب معجزات۔
4. صحیح بخاری باب معجزات۔

ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے۔ لیکن جب تک میں نہ آؤں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے۔ لوگ پہنچے تو چشمہ تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آیا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو لینا شروع کیا۔ پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں سے ہاتھ دھو کے پھر وہ پانی چشمہ میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی زور سے ابل گیا۔[1]

انگلیوں کی برکت:

آپ ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا۔ انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا، پانی نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر رکھتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا۔ لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی تھا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس برتن کو منگوا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے آپ ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو دیکھا آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلتا ہے۔ پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔[2]

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آ گیا۔ صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا، یہاں تک کہ چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو گئے۔[3]

تھوڑے پانی میں کثیر برکت:

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا۔ لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا۔ اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ﷺ نے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دن چڑھ گیا تو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا۔ تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا، اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا۔ جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ ﷺ قافلہ سے جا ملے۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ پیاس نے ہم کو مار ڈالا۔ آپ

---

۱ صحیح بخاری باب معجزات۔

۲ مسلم باب حدیث جابر الطویل۔

۳ بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۷ غزوہ حدیبیہ۔

سورۂ جن میں فرمایا۔

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾ (جن۔۲)

اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾ (آل عمران۔۱۸)

اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے۔

بعض امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (اعراف۔۲۳)

(اے پیغمبر) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب قرار پائے گی؟ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار کو ہے وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا، وہ وقت آسمان و زمین میں بڑا بھاری ہوگا وہ دفعۃً آ جائے گا۔ تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھ کو معلوم ہے۔ کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔

صحاح میں حضرت جبریلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیئے ہیں اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ [1]

﴿ما المسئول عنها باعلم من السائل و ساحدثك عن اشراطها﴾ (کتاب الایمان مسلم و بخاری)

جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا۔ ہاں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے۔ قرآن نے صاف کہہ دیا ہے۔

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾

کسی شخص کو یہ خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا

﴿وفينا نبي يعلم ما في غد﴾

ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ [2] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

---

[1] صحیح بخاری تفسیر لقمٰن۔

[2] صحیح بخاری کتاب النکاح۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

﴿ انی لاراکم من وراءی کما اراکم ﴾ (بخاری باب عظۃ الامام الناس)

میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

احادیث میں متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا۔ آپ کو جوش آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سلونی شئتم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ" دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "سالم غلام شیبہ" اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے "پوچھو مجھ سے، پوچھو مجھ سے" یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کو اللہ اپنا پروردگار، محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔ [1]

صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت، فتن حشر ونشر سب کچھ سمجھایا۔ صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے، بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے۔ ان واقعات میں سے جب کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ [2]

نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا جس دن اس نے حبش میں وفات پائی آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اس سانحہ کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔ [3]

۸ھ میں غزوہ موتہ پیش آیا ہے تو آپ ﷺ نے فوج کا علم زیدؓ بن حارثہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ جب زیدؓ شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے، جب وہ بھی جاں بحق ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ اس خدمت کو انجام دیں اور جب وہ بھی کام آ جائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنا لیں۔ یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان در حقیقت واقعہ کا اظہار تھا۔ میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی، ان کی جانشینی جعفرؓ نے کی، وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے پیش قدمی کی، جب وہ بھی نثار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالد بن ولیدؓ کو اپنا افسر بنایا۔ چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا۔ عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر در پیش تھے، آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما تھے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرما رہے تھے علم کو زیدؓ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے، پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی جان

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم۔

[2] صحیح مسلم باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ۔

[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم۔

قتل ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالدؓ بن ولید نے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔ [1]

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا۔ صحابہؓ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ صحابہؓ کو اس پر تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس نے خودکشی کر لی۔ [2]

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا وہ قتل ہوا۔ کسی نے آ کر خبر دی کہ یا رسول اللہ فلاں شخص شہید ہو گیا۔ فرمایا کہ "یہ ناممکن ہے شہادت اس کے لئے کہاں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ مال غنیمت میں سے اس نے ایک چادر چرائی تھی۔" [3]

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں۔ اس لئے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے۔ لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو۔ چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات ہوئے۔ شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپ ﷺ مسکرا دیئے [4] ۔ (گویا) اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو نکل کھڑا ہوا۔ مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا۔ وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ عمیرؓ یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا کیوں نہیں، کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے۔ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد بے شک تم خدا

---

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب علامات النبوۃ فی الاسلام و غزوہ موتہ۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد غزوہ خیبر باب العمل بالخواتیم ص ۹۷۷۔

۳۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول۔

۴۔ صحیح بخاری و مسلم غزوہ طائف۔

نے پیغمبر ہو خدا کی قسم میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ [۱]

حضرت وابصہ اسدی صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں، لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں آپ ﷺ نے فرمایا وابصہ میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو۔ فرمایا تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔ عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا آپ نے سچ فرمایا۔ ارشاد ہوا نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔ [۲]

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی، بکری ذبح کی اور آپ ﷺ کو مع دیگر رفقاء کو کھانے کے لئے بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چبایا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔ صحابیہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! بنی معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز۔ [۳] دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی۔ اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں بکری کا گوشت تھا۔ آپ ﷺ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو اس گوشت میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے۔ جب وہ جمع ہو چکے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ جو میں پوچھوں کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کچھ بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم جھوٹے ہو تمہارے باپ کا یہ نام ہے۔ اس امتحان کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔ [۴]

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کے نام سے مشہور ہیں جس شب کو آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک دیا۔ وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضے نے خود ہی مجبور کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ غافل ہو گئے۔ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا رستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر انہوں نے زر نقد سے جان بچا کر رہائی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھتے ہی ساتھ فرمایا اے ابو یحییٰ تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی۔ حضرت صہیبؓ نے عرض کی یا رسول اللہ مجھ سے پہلے کوئی یہاں نہیں آیا جو اس بات کی آپ کو خبر کرتا۔ یقیناً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی

---

۱　تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر صفحہ ۱۳۵۳ طبع یورپ۔

۲　مسند ابن حنبل حدیث وابصہ الاسدی و ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء ذکر وابصہ بن معبد الجہنی ج ۲۔

۳　سنن نسائی [illegible]۔

۴　[illegible]۔

# اہل کتاب کے سوالات کا جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ لکھے پڑھے نہ تھے۔ یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپ ﷺ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی۔ توراۃ و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ان کی شرحوں میں یا دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی آخری چیزیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں اور عوام میں انہی کتابوں کی مقبولیت حاصل تھی، باایں ہمہ آپ ﷺ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا آپ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے۔

مکہ میں جب آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا۔ اس لئے انہوں نے معجزات طلب کئے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے۔ پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب، خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں جن کے جوابات محض سماعی ہوں اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا اس لئے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا۔ اس خیال کی بنا پر وہ یہودیوں سے جا کر ملے، ان سے آپ ﷺ کے حالات بیان کئے اور آپ ﷺ سے پوچھنے کے لئے ان سے چند سوالات مانگے۔ چنانچہ انہوں نے چند سوالات دیئے کہ جا کر اس سے پوچھو۔ اگر وہ پیغمبر نہ ہوگا تو ہرگز ان کا جواب نہ دے سکے گا۔

یہ تین تاریخی سوالات تھے۔ اصحاب کہف کا حال، حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کو بتا دیئے اور آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر کفار کو سنایا۔ چنانچہ سورۂ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے

﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ (کہف۔ ۱۱)

اور کفار تجھ سے اے پیغمبر! ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ میں اس کا تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوت کے دعوائے نبوت کا امتحان انہی کی کتابی سوالات سے لیا جائے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں اس لئے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکیں گے اور اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں میں یہ سوالات مذکور ہیں وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہے کہ ان کی تکذیب سے خود محمد ﷺ کی جہالت اور کذب دعویٰ (نعوذ باللہ) کا پردہ فاش ہو جائے گا۔ لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام

مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ ﷺ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں آپ سے تین سوال کروں گا جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے اور ماں و باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے یہ جوابات سن کر کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا؟ اس نے کہا سنوں گا۔ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا پل کے نیچے تاریکی میں۔ دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی؟ جواب دیا ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں۔ اس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف نبی یا پیغمبر کے علاوہ ایک دو آدمی ہی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے۔ یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شبہ تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ باتیں مجھ کو خدا نے بتا دیں۔ مجھے پہلے سے معلوم نہ تھیں۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن یہ وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیئے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کرو گے؟" انہوں نے جواب دیا ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جو چاہو پوچھو"۔ انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے۔ پہلا یہ کہ حضرت یعقوب نے تورات کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کی کیا وجہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی امی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا "تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوب سخت بیمار پڑے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا۔ چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے کہا "خدایا سچ ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "خدایا گواہ رہ"۔ پھر فرمایا "میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد۔ دونوں میں جو بھی غالب ہوتا ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا "خدایا درست ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "خدایا گواہ رہ"۔ پھر فرمایا "میں تم

تو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توراۃ اتاری کیا تم کو معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا۔ انہوں نے کہا ''خدایا ہاں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''خدایا گواہ رہ'' یہودیوں نے کہا بتائیے کہ فرشتوں میں آپ کا رفیق کون ہے؟ اس جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا رفیق جبرئیل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔ یہودیوں نے کہا تو ہم پھر آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان سے کچھ پوچھنا چاہئے۔ بعضوں نے کہا اس کی ضرورت نہیں، شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ بالآخر انہوں نے آ کر کہا کہ ہم آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل۔۱۰)

وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے۔ اے پیغمبر کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل)، مستدرک حاکم (جلد ص ۹) اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوان بن عسال مرادیؓ روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو، اگر وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر پوچھا کہ موسیٰ کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھے کہ (۱) شرک نہ کرو (۲) زنا نہ کرو (۳) ناحق قتل نہ کرو (۴) چوری نہ کرو (۵) جادو نہ کرو (۶) بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ (۷) سود نہ کھاؤ (۸) پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو اور (۹) میدان جنگ سے فرار نہ کرو۔ راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے۔ پھر فرمایا اور تمہارے لئے اے یہود خاص حکم یہ ہے کہ (۱۰) سبت مناؤ۔ ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ ﷺ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ انہوں نے کہا کہ داؤد نے دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار ڈالیں۔

# اخبار غیب یا پیشین گوئی

فطرت بشری کے عجز اور بیچارگی کا سب سے بڑا راز مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔ انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحر ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق ہستی کا دعویٰ کا مدعی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لئے اسی بحر ظلمات کی شناوری کو معیار و محک قرار دے۔ چنانچہ یہی اخبار غیب اور پیشگوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوع انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل اور حجت تسلیم کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی پیشین گو ہے۔ عبرانی اور دوسری سامی زبانوں میں "نبی" یا "نابی" جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشگوئی کے ہیں اور اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہان کا پیدائشی منجم ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا۔ عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے زیر اقتدار تھے جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے۔ مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے۔ وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب پیغمبر بنا کر عرب کے درمیان بھیجے گئے تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی بڑی دلیل بھی اخبار غیب اور پیشگوئی ہو سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے سینکڑوں پیشگوئیاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو دن کی روشنی کی طرح پیش فرمایا اور سب کی سب بے کم و کاست پوری اتریں۔

آنحضرت ﷺ سے ان پیشگوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ ﷺ کو ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں، کبھی عالم خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے۔ قرآن مجید کی پیشگوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ خواب کی پیشگوئیوں کا تذکرہ کچھ عالم رویا کے بیان میں آ چکا ہے باقی پیشگوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

## فتوحات عظیمہ کی اطلاع:

اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند نہتے لاچار غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیں گے لیکن پیغمبر صادق ﷺ نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح کرو گے، مدائن تمہارے ہاتھوں میں آئے گا، قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے دست تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا، تم ترکوں سے لڑو گے

## یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر:

امیر معاویہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کی جگہ یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نحوست کی اولین شب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگو اور دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر ایسے ویسے لوگ حکمران نہ ہو لیں۔[1] حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ۶۰ھ کے آغاز پر قریب آ رہی ہے، امانت دولت کا مال اور صدقہ خیرات جرمانہ اور تاوان سمجھ کر دیا جائے گا اور گواہی پہچان سے دی جائے گی اور فیصلے خواہشوں سے ہوا کریں گے۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ خداوندا مجھ کو ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پانے دے۔ خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ۵۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔[2]

## امام حسینؓ کی شہادت:

حضرت حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم، بیہقی، ابن سعد، ابو نعیم وغیرہ میں مذکور ہیں مگر عموماً ان روایات کا درجہ بلند نہیں۔ تاہم اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی۔ اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو انہوں نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا۔ حافظ ذہبی نے اس روایت کو شرط مسلم تسلیم کیا ہے۔[3] لیکن یہ روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی جا چکی تھی۔ یہ اطلاع الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا۔

## خوارج کی اطلاع:

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ قبیلہ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ انصاف سے مال تقسیم فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا؟" اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جانے دو۔ اس کے ایسے رفقا ہوں گے جن کے نماز روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے۔ وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ مذہب کے دائرہ

---

1. مسند احمد حادیث ابی ہریرہؓ۔
2. یہ پیشین گوئیاں [illegible] جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ [illegible] سے نقل کی ہیں۔
3. مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۹۰۔

ہیں۔ فرقِ باطلہ کا ظہور ہوتا ہے۔ فقہاء میں جمود آتا ہے۔ علماء میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے۔ ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں۔ اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

### مدعیانِ کاذب:

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب و دجال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے[1] ایسے مدعیان کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے لے کر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب تیس کے پہنچ جائے گی جن میں سے وہ جو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گذرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

### منکرینِ حدیث:

ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے (یعنی غرور کی شان سے) بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا یا جس سے منع کیا وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے ہم نہیں جانتے، جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں"[2] بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں۔ دور اول میں اگر یہ پیشین گوئی معتزلہ پر صادق آ سکتی تھی تو اب آج کل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

### تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت:

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا اور تجارت کی کثرت ہوگی[3] یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ بٹایا کرے گی۔" کیا اس موجودہ دورِ تمدن سے بڑھ کر اس پیشینگوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا؟ آج سے زیادہ بھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بیباکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں؟

### اہل یورپ کی کثرت:

آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ

[1] صحیح مسلم باب فتن و ابوداؤد (ملاحم) کے علاوہ و مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابو یعلی، بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اسی قسم کی روایت ہے۔

[2] سنن ابی داؤد باب لزوم السنۃ۔

[3] مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۰۷ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تسلیم الخاصہ و مستدرک حاکم و بزار و طبرانی۔

تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی۔ لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے کہ (سیلاب ان کو بہائے لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب و داب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا دنیا (فوائد دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔ موجودہ زمانے کے اسلام کے پیش نظر تاریخ عمل کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں؟

# معجزات نبوی کے متعلق

## غیر مستند روایات

آنحضرت ﷺ کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پا کر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے اس لئے صرف ان کی تسکین اور کشف حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں۔ یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آنحضرت ﷺ کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے۔

یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور انہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شہرت دی یہاں تک کہ ان کے پردہ میں آپ ﷺ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی۔ حالانکہ ان تمام ذخیروں سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں۔ لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابل اعتبار قرار دیا۔ کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا۔ تاکہ خاتم المرسلین کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے۔ بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے۔ لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو، جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو اس کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

اس تنقید کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ اصول روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں ان کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط، موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ ان کتابوں کے خاص خاص مشہور و زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟

### کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ:

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید و درایت کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آ گئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے محدثین نے جو سختی اور شدت اختیار کی ہے وہ مناقب و فضائل کے باب میں نہیں کی ہے۔ چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنام تمام خلفاء کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد، اعمال و نوافل کے مبالغہ

سیکڑوں بیہودہ عجیب و غریب غیر صحیح فضائل، معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں:[1]

مسند ابو یعلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی، قوی ضعیف، مرسل منقطع حدیثیں بے پروائی سے درج ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے، انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجہ میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین تھے جن سے روایتیں نقل کا کام لیتے تھے۔ اسرائیلیات، اقوال حکما، شذرات حدیث، قصص و حکایات اور روایات نامعتبر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا۔ کتاب الضعفاء لابن حبان، کامل لابن عدی اور خطیب، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں: "صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر محققین محدثین کا اعتماد ہے اور انہی پر ان کا مدار۔ رہ گئیں تیسرے طبقہ کی کتابیں، سو ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں اور جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے، غرض جو صحیح اور غلط اور خطا و صواب میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور مدون کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کاوش ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ متاخرین نے جو مواد سے سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبرانی، بیہقی، ابن مندہ، ابن عساکر اور ابونعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں۔ حافظ قسطلانی نے انہی روایات کو مختصر اور حذف کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا اور مسکین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس دلچسپی اور دلدادگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ صحیح اور سچے معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ کتاب الطبقات لابن سعد، سیرۃ ابن اسحاق، دلائل النبوۃ لابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوۃ ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۸۵ھ، شرف المصطفی ابو سعید عبدالرحمان بن حسن اصفہانی المتوفی ۴۰۷ھ، تاریخ و تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، مولد یحییٰ بن عائذ، دلائل النبوۃ جعفر بن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل النبوۃ ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ، لیکن متاخرین کی ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں۔ کتاب الدلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب حدیث۔

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے۔ جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا۔ حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور منکر، بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلۂ روایت لکھ دیا ہے اور لوگ اس سلسلۂ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے، ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مد نظر رکھیں یا یوں سمجھو کہ عشق نبوی نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا، مگر خود اسی جذبۂ عشق اور اسی ولولۂ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ کو بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور ﴿من كذب على متعمدا﴾ کی دارو گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔ محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابو نعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

﴿لا اعلم لهما ذنبا اكثر من روايتهما الموضوعات ساكتين عنها﴾ (ترجمہ) "مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔"

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ کیا ان کی خاموشی خدا نہیں معاف کرے، آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے۔

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ دور سے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے جو پہلی تین صدیوں میں تھے اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ اگر تراجم اور انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی کمی نہیں اسی بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا مشکل ہے

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے[1] تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ انہی کتابوں کے ذریعے سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور جن کے کثرت سے حوالے مواہب لدنیہ میں جا بجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے

---

[1] ملک مظفر شاہ اربل [illegible] سب سے پہلا شخص ہے جس نے [illegible]
[illegible] ابن دحیہ نے [illegible] ۶۰۴ھ [illegible] کتاب [illegible] تصنیف
کی۔

اور جامع تالیف ہے۔ علامہ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد، سعید ابن منصور طیالسی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابویعلی بلکہ ان سے بھی فروتر بیہقی، ابونعیم، بزار، ابن سعد، طبرانی، دارمی بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا، ابن شاہین، ابن ابی الحواری، ابن مندہ، ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، خرائطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا۔ قوی وضعیف اور صحیح وغلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا تاہم مصنف کو یہ فخر ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ کہ کتاب میں صحیح وغلط، قوی اور ضعیف، مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں اس لئے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے۔ پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجہ استناد کا پتہ دیا ہو۔ اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے ان کو یہ تحقیق معلوم تھا کہ یہ صحیح نہیں تاہم چونکہ وہ پچھلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں ان کو تمام دلائل ابونعیم سے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

﴿ هذا الاثر والاثر ان قبله فيها النكارة شديدة و لم اورد في كتابي هذا اشد النكارة منها ولم تكن نفسي تطيب مايرادها لكن تبعت الحافظ ابانعيم في ذالك ﴾ (خصائص جلد اول صفحہ ۴۹)

اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر (منکر) باتیں ہیں اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابل اعتبار روایتیں نہیں لکھیں۔ میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابونعیم کی پیروی کر کے لکھ دیں

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

﴿ و اخرج الخطيب في المتفق المفترق بسند فيه مجاهيل ﴾ (جلد ۲ صفحہ ۲۵)

خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں مجہول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ ﷺ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا۔ یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اشارہ سے ان کو بلاتا تھا۔ یہ عجیب جانور آپ ﷺ کو خیبر میں ملا تھا اس نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو فرط غم سے اپنے آپ کو کنوئیں میں گرا کر جان دے دی۔ حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے اور اس پر بے تعرض کے گزر گئے ہیں حالانکہ بعینہ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں لکھتے ہیں کہ "یہ سرتاپا موضوع ہے۔"

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں۔ بایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ

﴿ هو فی المعجزات حسن ﴾[1]

معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے۔

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

﴿ لان عادة المحدثین التساهل فی غیر الاحکام و العقائد ﴾ (جلد اصفحہ ۱۷)

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور ﴿ من كذب علی متعمدا ﴾ کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی بھی نسبت کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو۔ جیسا کہ امام نووی' حافظ عسقلانی' ابن جماعہ' طیبی' بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔[2]

## معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب:

(۱) ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا۔ چونکہ یہ فرقہ علم سے بہرہ محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمی محفل اور شورا شورت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی یا بعد کو انہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔ حافظ سیوطی علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

﴿ احدهما القصاص و معظم البلاء منهم یجری لانهم یریدون احادیث تنفق و ترقق الصحاح یقل فیه هذا ثم ان الحفظ یشق علیهم و یتفق عدم الدین و هم یحضر هم جهال ﴾ (تحذیر الخواص صفحہ ۲۲۹)

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت انہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور موثر ہوں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے اس کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔

چنانچہ فضائل و مناقب' عذاب و ثواب' بہشت و دوزخ' وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

---

1. زرقانی ج اص ۴۰ بحوالہ خصائص سیوطی ج اص ۳۵۔
2. دیکھو موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۷ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جو اب مصر میں چھپ گئی ہے، کہتے ہیں کہ احادیث و روایت میں فساد تین راستوں سے آیا، منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

﴿ والقصاص فانهم يميلون وجوه العوام اليهم و يستدرون ما عندهم بالمناكير والغريب والاكاذيب من الاحاديث و من شان العوام القعود عند القاص ما كان حديثه عجيبا خارجا عن فطر العقول او كان رقيقا يحزن القلوب و يستغزر العيون ﴾ (صفحہ ۳۵۶)

اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو منکر اور عجیب و غریب باتیں بیان کر کے وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی موثر باتیں بیان کیا کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلا دیں۔

## آپ ﷺ کی برتری اور جامعیت کا تخیل

(۲) ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ تمام کمالات کے جامع ہیں۔ یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی ہے اور انبیائے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔ بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہی کے مثل آپ ﷺ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا آخر خلاصہ اور مجموعہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیاء کے معجزات کا مجموعہ ہے اور جو کچھ عام انبیاء سے متفرق طور پر صادر ہوا وہ تمام یا تمام مجموعاً آپ ﷺ سے صادر ہوا، ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مساوات کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اس لئے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے ذخیرہ میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی۔ حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طوفان کی دعا قبول ہوئی تو آپ ﷺ کی قحط کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت صالحؑ کے لئے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت ﷺ سے اونٹ نے باتیں کیں۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے، تو آپ ﷺ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے چھری رک گئی تو آپ ﷺ بھی ذبح ہونے سے بچ گئے۔ حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیے نے گفتگو کی روایت کی گئی ہے تو آپ ﷺ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا۔ ابونعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کو پورا حصہ ملا۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے پتھر سے نہریں جاری ہوگئیں تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے بھی پانی بہا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپ ﷺ کے فراق میں بھی کھجور کے درخت نے رو کر معجزہ سے کی

خشک ٹہنی تلوار بن گئی۔ حضرت موسیٰ کے لئے بحر احمر شق ہوا تو آپ ﷺ کے لئے معراج میں آسمان وزمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا۔ یوشع کے لئے آفتاب ٹھہرا دیا گیا تو آپ ﷺ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا۔ حضرت عیسیٰ نے گہوارہ میں کلام کیا تھا۔ یہ روایت وضع کی گئی کہ آپ ﷺ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپ ﷺ کی زبان سے پہلے تکبیر وتسبیح کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کا زندہ کرنا ہے اور صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی۔ اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ پر ایمان لائیں۔

## غیبی آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق

(۳) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاؑ کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشنگوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود ونصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا۔ اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو ان تاریخ سال وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط وخال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور دیاتوں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپ ﷺ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے بلکہ بعض دیروں میں تو آپ ﷺ کی تصویر تک موجود تھی۔ توراۃ وانجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں، وہ استعارات وکنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں۔ ان کو ضعیف وموضوع روایتوں میں صاف صاف آپ ﷺ کے نام ومقام کی تخصیص وتعیین کے ساتھ پھیلا دیا گیا۔

عرب میں بت خانوں کے مجاور اور کاہن تھے جو فال کھولتے تھے اور پیشنگوئیاں کرتے تھے۔ ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کاہن مقفّی اور مسجّع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا۔ یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ ﷺ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوک یمن وشاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمعہ کو اپنے قبیلے کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجّع فقروں اور شعروں میں آپ ﷺ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینے کے لوگوں کو انہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ ﷺ کا دارالہجرت ہوگا اس لئے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے۔ سطیح کاہن کا آپ ﷺ کی پیشنگوئی میں ایک طویل افسانہ ہے لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔ یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے۔ اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں۔ (مستدرک باب اخبار النبی) اور بقول علامہ ابن قیم (زاد المعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو آنحضرت ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوتے ہیں۔

روایات صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ ﷺ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی۔ یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری، قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ ﷺ کا خاصہ قرار دے دیا ہے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلۂ سند کے راویوں میں باہم موقع مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعات قرار دے دیا۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا، آنحضرت ﷺ جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر تو ضرور آپ کے سامنے سربسجود ہونا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بنا پر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

## الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی:

(۷) ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ معمولی واقعہ ہے۔ لیکن نیچے درجہ کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دے دیا۔ صحاح کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانۂ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا جس کو "خاتم نبوت" کہتے تھے اور آپ ﷺ کی انگشت مبارک میں جو طغرائی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی اس پر محمد رسول اللہ منقوش تھا۔ بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابونعیم کی دلائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشت مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں۔

## مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت:

دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے لیکن یہاں اس کا موقع نہیں۔ اس لئے ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

۳۔ روایت ہے کہ یہ نور جب (ابرہہ کے وقت) عبدالمطلب کو میسر ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سو رہے ہوئے تھے، سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ آخرکار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے۔ اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلے سے وہ دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری الخرگوشی ۴۰۶ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابوبکر بن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احبار (نو مسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے۔ اول یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے آگے کی سند نہیں، علاوہ ازیں کعب احبار گو نو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں۔ بیچ کا راوی ابوبکر بن ابی مریم باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ اس کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔

۴۔ ابونعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی میں یہ روایت ہے کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے، وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا۔ وہ ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے۔ تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ ان مستندوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے۔ اس کی نسبت میزان میں ہے کہ امام بخاری نے کہا "اس کی حدیث نہ لکھی جائے"۔ نسائی نے کہا "متروک ہے"۔ یحییٰ نے کہا "یہ شعر و شاعری کا آدمی ہے ثقہ نہ تھا"۔ عبدالعزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے، جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ "اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر ٹھیک"۔ ابوزرعہ نے کہا "وہ کچھ نہیں اور وہ واقدی کے برابر ہے۔" امام احمد نے کہا "وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے ہے"۔ ساجی نے کہا "وہ منکر الحدیث ہے"۔ علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی راوی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے لیکن امام ذہبی نے تلخیص مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

۵۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبداللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی حامل بن جائے مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس وقت عبداللہ نے انکار کیا اور گھر چلے گئے۔ وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی۔ عبداللہ نے واپس آ کر اس کو وعدہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر، بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے۔ ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے۔ دوسرے میں کلبی ہے۔ یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں۔ تیسرا طریقہ ابویزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ابویزید مدنی کی اگرچہ بعض

احمد نے توثیق کی ہے مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک ''فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔'' ابوزرعہ نے کہا ''مجھے نہیں معلوم'' ابونعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں۔ ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمرو الزہری ہیں اور یہ تینوں نامعتبر ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور معتدد مجاہیل ہیں۔ چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم۔ بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے۔ خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

۶۔ حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عبدمناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں کنواری گئیں جنہوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی مر گئیں لیکن انہوں نے شادی نہ کی۔ (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔ یہی حکایت ہے جس کا لفظ ترجمہ اردو مؤلفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ ''اس رات دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں''۔ یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں مصنف روی یعنی بیان کیا گیا ہے مذکور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے۔ یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

۷۔ روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور ساوہ کی نہر (واقع فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا، بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی۔ یہ قصہ بیہقی خرائطی ابن عساکر اور ابونعیم میں سند اور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے۔ ان سب کا مرکزی راوی مخزوم بن ہانی ہے جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریشی) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی بیان کرتا ہے۔ ہانی نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں۔ اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے۔ ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں۔ نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرات کرتے ہیں اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں۔ ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے۔

۸۔ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی ماں شفاء بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہو گئی یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے۔ میں نے آپ ﷺ کو کپڑا اپنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا اور میں ڈر کر کانپنے لگی۔ پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مغرب کی سمت۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مشرق کی سمت۔ یہ حکایت ابونعیم میں ہے۔ اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں۔

۹۔ روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا۔ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالنا۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے۔ (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابونعیم میں ہے جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کیا ہے۔ ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالے سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیان نہیں۔

۱۰۔ **روایت:** عثمان بن ابی العاص صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردزہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا۔ یہ قصہ ابونعیم، طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے۔ اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمان بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

۱۱۔ **روایت:** حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوئی بجز اس کے کہ معمول میں فرق آ گیا تھا۔ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں۔ قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحب سیرت حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے۔ لیکن ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لئے واقدی کا حوالہ دیا ہے۔ دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک کا سرسلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں۔ پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے۔ دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

۱۲۔ ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت ﷺ کی جلالت و عظمت کے باعث حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے مگر اس بچے سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا۔ اول تو یہ روایت معروف اور مسلّم واقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا۔ دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے۔ اسی معنی کی ایک اور روایت شداد بن اوس صحابی کی زبانی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں۔ جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھیں (کنز العمال، کتاب الفضائل) معافی بن زکریا القاضی نے

اس روایت پر ابن حجر نے جرح کی ہے کہ "یہ منقطع ہے"۔ یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی میں ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے بیچ میں ایک راوی گم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب، وضاع اور متروک تھا۔

۱۳۔ روایت: جب ولادت کا وقت آیا، خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو۔ فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے۔ سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا۔ اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں۔ درختوں میں پھل آ گئے۔ آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کئے گئے۔ نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت لگائے گئے۔ مکہ کے بت اوندھے ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ حکایت مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ لیکن ابونعیم کی دلائل کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ ابونعیم نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت نقل کی ہو یا یہ مطبوعہ نسخہ ناقص ہو۔ بہرحال اس روایت کی بابت صرف اسی قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ راوی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے، یہ بیان کرتے تھے۔ قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ مطعون ہے۔ حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کا ذکر کیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے۔

۱۴۔ روایت: آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے اور کہنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم آنحضرت ﷺ شکم مادر میں آ گئے، وہ دنیا جہاں کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں۔ قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا، اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے، مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی، اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی۔ پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان و زمین سے ندا آتی جاتی تھی کہ بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا۔ حضرت ﷺ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گذر گئے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ "اے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔" کہتی ہیں کہ جب ولادت کا وقت آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی، عبدالمطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے۔ اس سے میری تمام دہشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی۔ پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے، پیاسی تھی وہ دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی۔ اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں۔ میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا (ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور

تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

۱۷ ـ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ابر کا ٹکڑا بچے کے اوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر ایک منادی کی آواز سنائی دی کہ محمد کو مشرق و مغرب میں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس، چرند و پرند، ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ۔ ان کو آدم کا خلق، شیث کی معرفت، نوح کی شجاعت، ابراہیم کی دوستی، اسمٰعیل کی زبان، اسحاق کی رضا، صالح کی فصاحت، لوط کی حکمت، موسیٰ کی سختی، ایوب کا صبر، یونس کی اطاعت، یوشع کا جہاد، داؤد کی آواز، دانیال کی محبت، الیاس کا وقار، یحییٰ کی پاکدامنی اور عیسیٰ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔ آمنہ کہتی ہیں پھر یہ منظر ہٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ آواز آئی واہ واہ! محمد نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آ گئی ہو۔ کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے۔ دفعۃً تین آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے، اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے۔ اس نے سپید ریشم کو کھولا کہ اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں نکالی۔ پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچے کو تھوڑی دیر کے لئے بازوؤں میں لپیٹ لیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں سعادۃ البشریٰ نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور سعادۃ البشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے۔ روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے وہ کس کو معلوم نہیں۔ قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں۔ غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

۱۸ ـ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گیا اور آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں۔ اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے۔

۱۹ ـ روایت: جس شب کو آپ ﷺ پیدا ہوئے قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا ان سے آ کر دریافت کیا کہ آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے کہا اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر میں جو کہتا ہوں اس کو یاد رکھو۔ آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا۔ اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے۔ اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح

سے لیں؟

## آنحضرت ﷺ کی رضاعت اور شیرخوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات:

۲۲۔ جب آپ ﷺ کو حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ حلیمہ سعدیہؓ کا آنا، اور آپ ﷺ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا، حلیمہؓ کے خشک سینوں میں دودھ بھر آنا، آپ ﷺ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسری طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لئے بہ نظر انصاف چھوڑ دینا، آپ ﷺ کے سوار ہوتے ہی حلیمہؓ کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقتور اور فربہ ہو جانا اور حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا، حلیمہؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپ ﷺ کا غیر معمولی نشوونما پانا، دو برس کے سن میں آپ ﷺ کے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ ﷺ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہؓ کو تسلی دینا۔ یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں۔ ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب جمحی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہ بن جعفر سے سنا، اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہؓ سے سنا۔ اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم اس روایت کا خود عبداللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں کہتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابونعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ اگر بالفرض جہم نے عبداللہ بن جعفر سے سنا تو عبداللہ بن جعفر کا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور ۷ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے، حلیمہؓ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہؓ سے ملنا اور ان کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔ صرف ایک دفعہ غزوہ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے۔ مگر اس موقع پر عبداللہ بن جعفرؓ کا جو کمسن تھے موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں۔ جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سربنیاد ہے ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے "لا یعرف" یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہے منقطع بھی ہے۔ یعنی کسی صحابیؓ تک وہ نہیں پہنچتا۔ اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن یزید سعدی سے نقل کرتا ہے۔ ابن سعد نے دوسری جگہ [جلد اول صفحہ ۶۹] ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے، اور واقدی عبداللہ بن زید بن اسلم سے، وہ عبداللہ اپنے

عبداللہ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا اصحاب میں ہیں، مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ کو ناقل ہیں مگر وہ کسی صحابی سے اس کا استناد ظاہر نہیں کرتے۔ معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی؟

تقریباً اسی واقعہ کو ابونعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمہ جب آپ ﷺ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے جو غالباً عیسائی ہوں گے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا۔ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی وہ دیکھی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں تھوڑی سی سرخی تھی اس کو دیکھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیا بچے کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے؟ حلیمہؓ نے کہا نہیں یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لیں لیکن خدا نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ ابونعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف و منقطع ہے اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں۔

۲۵۔ کہتے ہیں کہ ایک روایت ہے حضرت شیماؓ آپ ﷺ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے۔ حلیمہؓ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں۔ لڑکی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگی۔ میں نے دیکھا کہ ان پر بادل سایہ کئے تھے۔ جدھر وہ جاتے تو وہ بھی چلتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تو وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا۔ (ص ۶۹ جلد اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطا نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا (صفحہ ۷۰ جلد اول) ابن سعد کے علاوہ ابونعیم، ابن عساکر اور ابن طرخان نے بھی اسی سلسلے سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور غیر معتبر ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قصص و معجزات کی تعداد ضعیف روایتوں کی مسلسل تحقیق کی ہے۔ اگر اسی طرح ہم آخر تک لکھنا چاہیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا۔ اس لئے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔

۲۶۔ سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ دس بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ راستہ میں ایک عیسائی خانقاہ تھی جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخر الزمان و سردار عالم یہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر ابر سایہ فگن ہے۔ جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں اس کی شاخیں آپ ﷺ پر جھکی آتی ہیں۔ اس نے آپ ﷺ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابوطالب سے اصرار کیا کہ اس بچہ کو شام نہ لے جاؤ ورنہ رومی ان کو پہچان لیں گے تو ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ اغلباً اس لئے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا زوال ہو گا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا اور دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے رومیوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ کئے ہیں۔ بحیرا نے ان سے کہا "خدا کی تقدیر

قتل کر ڈالیں گے اس لئے بہتر ہے کہ تم ان کو نہ لے جاؤ۔" وہ رک گئے اور ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو واپس بھیج دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان بن غزوان جو ابونوح قراد کے نام سے مشہور ہے یونس بن اسحاق سے وہ ابوبکر بن ابی موسیٰ سے وہ اپنے باپ ابوموسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اسی سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے۔ ترمذی نے اس کو "حسن و غریب" اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰، طبع دوم ص ۱۴۸) میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبدالرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ سند میں بجز عبدالرحمان بن غزوان کے دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ اس سے مدتوں پہلے کا ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نہ تو خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے روایت کی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں۔ اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابوموسیٰؓ سے ان کے صاحبزادے ابوبکر روایت کرتے ہیں مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ تقریب میں ہے کہ اس باب میں بہت کچھ شک ہے۔ امام ابن حنبلؒ نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنابریں یہ روایت منقطع ہے۔ اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ "وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔"

(۳) ابوبکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ "ان میں غفلت بے پروائی تھی۔" شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے۔ امام احمدؒ ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور "ایسی ویسی" کہتے ہیں۔ ابو محمد کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں۔ ساجی کا قول ہے کہ "وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔" ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے جس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قراد ہے۔ اس کو گو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے۔ مماليك والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔ ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ "وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے مماليك والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔"

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمان بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا

راہب کا قصہ ہے۔ اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکر نے بلال کو آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت بچے تھے اور حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں (مستدرک جلد دوم ص ۶۱۵)

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے" حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں اس نے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

۲۷۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے بیان کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ ﷺ پر سایہ فگن رہتا۔ کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے۔ ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ راہب نے یہ دیکھ کر میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے نام و نشان بتایا۔ راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے؟ غلام نے اثبات میں جواب دیا۔ راہب نے کہا "تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے۔ تم کبھی ان کی رفاقت نہ چھوڑنا" اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا۔ خریدار نے آپ ﷺ سے کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں کبھی ان کی قسم نہیں کھاتا۔ راہب نے میسرہ سے کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے ان کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں" میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر لیتے۔ جب آپ ﷺ تجارت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ فگن ہیں۔ انہوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ میسرہ نے کہا پورے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر میں ہے۔ ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔ بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ نفیسہ بنت منیہ صحابیہ کی اخت یعلیٰ بن منیہ سے جو کہ یہ قصہ روایت کرتے ہیں۔ واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام احمد بن حنبل کہتے ہیں "واس دینہ صاکیر" اس کی حدیثیں منکر ہیں۔ عمیرہ بنت کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

۲۸۔ ابن اسحاق، ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم میں ہے کہ "قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی

طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا تو چند برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا جس نے کاغذ کو کھا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں ظلم کے مقاطعہ کا عہد تھا اس نے کھا لیا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھا لیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر دی اور بالآخر اس واقعہ کے جھوٹ اور سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار پایا۔ کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ کے قول کی تصدیق ہوگئی۔

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے، بقیہ تمام روایتیں یا واقدی اور ابن سعد سے ہیں جن کا اعتبار نہیں، اور یا ثقات سے ہیں تو وہ تمام تر مرسل ہیں۔ ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے تو وہ بیہقی کی موسیٰ بن عقبہ کی ہے جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں۔ مگر وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی۔

۲۹۔ مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپ ﷺ نے غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر ببول یا جھاڑی کا درخت اگ آیا جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں۔ کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر وہاں انڈے دیے اور مکڑی نے جالے تن دیے تاکہ مشرکین کو آنحضرت ﷺ کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو۔ درخت کے اگنے، کبوتر کے انڈے دینے، مکڑی کے جالا تننے ان تینوں کا ذکر صرف ابومصعب مکی کی روایت میں ہے۔ بقیہ روایتوں میں صرف کبوتر کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے۔ بہرحال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بیہقی اور ابونعیم میں اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے۔ ابن مردویہ، بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے، نیز ابن سعد اور ابونعیم کی ایک روایت ابومصعب مکی سے ہے جو متعدد صحابہؓ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے۔ ابومصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے لیکن یہ دونوں صاحب پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔ ابومصعب تو مجہول ہے اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ "وہ کچھ نہیں"۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔" ابونعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین ابن عمرو القیسی لکھا ہے۔ یہ عوین بن عمرو بھی ناقابل اعتبار ہے۔ عقیلی نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی اور اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابومصعب مجہول ہے۔[1]

استاذ مرحوم نے سیرت نبوی جلد اول واقعہ ہجرت میں صرف ابومصعب کی روایت پر تنقید کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ابومصعب کے علاوہ اور دوسرے صحابیوں سے بھی یہ مروی ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے بھی واقعہ کی روایت کی ہے مگر اس روایت کا ہر سلسلہ واقدی ہے جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کر کے اپنی ایک مشترک روایت تیار کی ہے۔ اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

فمروا بالغار فرأوا على بابه نسج العنكبوت فقالوا لو دخل ههنا لم يكن نسج

---

[1] دیکھو میزان الاعتدال ترجمہ ابومصعب مکی و عون بن عمرو و عوین بن عمرو اور لسان المیزان ترجمہ عوین بن عمرو القیسی۔

العنکبوت عنی بابہ ﷺ (جلد اول ص ۳۳۸)

کہ جب آپ ﷺ کی تلاش میں غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ مکڑی کے جالے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر محمد اس کے اندر جاتے تو یہ جالا نہ ہوتا۔

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ اس روایت کی بنا پر اس کو ثابت بھی سمجھ لیا جا سکتی ہے۔ تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں۔ اس کے راوی مقسم ہیں جو ابن عباسؓ سے کہتے ہیں اور ان سے عثمان الجزری نام ایک شخص روایت کرتا ہے۔ مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے ایک حدیث کی روایت نقل کی ہے مگر وہ خود کتاب الضعفاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے۔ ساجی نے لکھا ہے کہ "لوگوں نے ان کی روایات میں کلام کیا ہے"۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ "وہ قوی نہیں" اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمرو بن ساج الجزری ہے اور کبھی عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے گو ابن حبان نے اپنے مشہور رسالے کی بنا پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ مگر محدث ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے اور حجت میں پیش نہ کی جائے۔ علامہ ذہبی نے میزان میں اور حافظ ابن حجر نے لسان میں صرف ابوحاتم کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ یہی ہے۔

۲۰۔ روایتوں میں ہے کہ اسی سفر میں راہ میں ایک جگہ بکریوں کے ایک چرواہے سے آپ ﷺ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے معذرت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کی اجازت سے ایک بے دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا تو دودھ نکل آیا۔ چنانچہ سب نے دودھ پیا۔ چرواہا یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ لیکن نام معجزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ زمانہ ہجرت کا نہیں بلکہ اس کے کسی اور زمانہ کا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قصہ مسند طیالسی اور مسند احمد میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے۔ مسند ابو یعلیٰ، مستدرک حاکم اور طبرانی میں بجائے عبداللہ بن مسعودؓ کے صرف "عبد" یعنی ایک غلام کا ذکر ہے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ صحابہ میں سے اس کے راوی قیس ابن نعمان سکونی ہیں۔ یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے۔ بعضوں نے ان سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ شریک واقعہ نہ تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ کس سے سنا؟ معلوم نہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔ اس کے بعد کے راوی عبیداللہ بن ایاد بن لقیط کی گو دو ایک نے توثیق کی ہے مگر بزار نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ تاہم ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۳ ص ۹) میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ [ترجمہ قیس بن نعمان سکونی] میں اس کو صحیح کہا ہے مگر یہ سند تعجب کی بات ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو واقعہ ہجرت کی مفصل روایت صحیحین میں ہے اس میں ایک غلام نے بکری سے دودھ پلانے کا قصہ مذکور ہے مگر اس کے معجزہ کا اس میں نشان بھی نہیں۔

ہجرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین معجزہ ام معبد کے خیمہ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا۔ ام معبد اور ابومعبد دونوں میاں

بیوی اس خیمہ میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے۔ بکریوں کی پرورش پر ان کا گذارہ تھا۔ صبح کو ابو معبد تمام دودھ والی بکریوں کو لے کر چراگاہ کو نکل گیا تھا۔ صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں۔ سننے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گذر ہوا۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپ ﷺ نے بہ قیمت طلب کیں جو نہیں ملیں۔ خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی۔ پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سال خشک سالی تھی اور لوگ قحط میں مبتلا تھے۔ فرمایا کہ مجھے اس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان، اگر اس کے دودھ ہو تو دوہ لیجئے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہہ کر تھن میں ہاتھ لگایا۔ فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ یہ دودھ سب نے پی لیا اور پھر دوہ کر چھوڑ گیا اور قافلہ نبوی آگے روانہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ابو معبد آیا اور دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے۔ تعجب سے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں۔ ام معبد نے سارا قصہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا کہ ذرا اس شخص کی صورت شکل تو بیان کرو۔ ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپ ﷺ کے حسن و جمال اور شکل و شمائل کی تصویر کھینچی جس کو سن کر ابو معبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے جس کا کچھ حال میں سن چکا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور جب اتفاقاً موقع مل گیا میں یہ کروں گا۔ اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سنے گئے۔ یہ اشعار بھی روایت میں ہیں۔ ان اشعار میں ام معبد کے اس واقعہ کا بیان ہے۔ حضرت حسانؓ نے جب ہاتف کی یہ آواز سنی تو ان اشعار کے جواب میں یہ اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم اور حاکم میں ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علماء فن کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کر دی ہے کہ "ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں"۔ حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں۔ حزام مجہول ہیں۔ حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔ حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ معلوم نہیں انہوں نے کس سے سنا؟ اس لئے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے۔ حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک انہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسری حر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں۔ پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا ہے۔ ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے۔ دوسرے طریقہ میں حر ابن صباح گو ثقہ ہیں مگر ابو معبد سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ چنانچہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حر ابو معبد

سے مرسل روایتیں کرتے ہیں۔ یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے۔ نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں۔ حزامی والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی[1] کہا ہے۔ ابونعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابوسلیمان انصاری بدری سے اس کی روایت کی ہے۔ سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہ نے ذکر کیا ہے ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں۔ سلیط انصاری بدریؓ جو مشہور ہیں وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں۔ ان کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جن سے کوئی نسل چلی نہیں لیکن ان سے روایت نسائی میں موجود ہے۔ مگر سلیط ابوسلیمانؓ انصاری بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں۔ اسی لئے اسماء الرجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیسؓ انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے نام سب گنے ہوئے ہیں۔ ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں۔ پھر یہ مدینہ کے باشندہ تھے اور ام معبد قبیلہ خزاعہؓ کی تھی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں آباد تھا۔ معلوم نہیں کہ سلیط انصاری نے کس سے سنا؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں۔ حافظ ابن حجر لسان المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت میں لکھتے ہیں۔

﴿ قال العقیلی مجهول بالنقل روی عن ابیه عن جده فذکر قصة ام معبد ... و هو واه قال لیس هذا الطریق محفوظاً فی حدیث ام معبد .... قال ابن منده مجهول ﴾

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت ﷺ کے باہم طرز تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابومعبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے جس کو ناقدین حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتف غیب نے تو اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے اور حسانؓ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔ ہجرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لئے بھی پس وپیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعات ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں ایک جگہ ایک چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔ "دفعۃً" ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو ہانکے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا "ہاں" "میں نے کہا" "اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ میں دودھ تو دوہو" اس نے دوہا تو میں آنحضرت ﷺ کے لئے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑا پانی ملا کر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے آپ کے پاس لایا۔ آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔[2]

---

[1] لسان المیزان ترجمہ محمد بن بشر بن ایان السکری۔

[2] صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہوگئی تھی اور خلوت و جلوت میں ہر موقع پر جاں نثاروں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کے واقعات و سوانح کا ایک ایک حرف پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر اس زمانے کے دلائل و معجزات زیادہ محفوظ طریقے سے احادیث میں مذکور ہیں اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات پیدا ہوئی ہیں محدثین نے موضوعات میں علانیہ ان کی پردہ دری کر دی ہے۔ [1] اس لئے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ مثلاً

۱۔ وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے معجزے سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور جعلی ہوئی ہیں۔

۲۔ وہ معجزے جن میں کہ گھڑے، اونٹ، ہرنی، گوہ، بھیڑیئے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، یہ روایتیں محققانہ ثابت نہیں ہیں۔ [2]

۳۔ ایسی روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے لئے آسمان سے خوان نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔ [3]

۴۔ وہ روایتیں جن میں حضرت خضر و الیاس سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے سب جعلی ہیں

۵۔ عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

۶۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی۔ یہ سرتاپا موضوع ہے۔

۷۔ عوام میں مشہور ہے کہ ابوجہل کی قریش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزے سے کلمہ پڑھنے لگیں لیکن یہ ثابت نہیں۔

۸۔ وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان کی کتب وفات نامہ، مولود نامہ، معراج نامہ ترتیب پائی ہیں تمام تر جھوٹی ہیں۔

۹۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، آفتاب غروب ہو رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ نے اٹھا کر آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ جب آفتاب

---

[1] علامہ سیوطی نے [illegible]

[2] بعض ضعیف روایتوں میں آیا ہے لیکن ان کا کوئی اصل نہیں۔ ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیئے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے جو دلائل بیہقی، مسند احمد اور ترمذی میں طرق متعددہ مذکور ہے جن میں سب سے قوی حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بھی شرط مسلم کہا ہے (مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں۔ (تاریخ کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)

[3] [illegible]

آخرت کا منکر ہوگا اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ زندگی میں بہرہ مند کریں گے۔ پھر اس کو مجبور کر کے عذاب دوزخ میں لے جائیں گے اور بہت برا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں رکھ رہے تھے تو انہوں نے دعا کی خداوندا ہماری یہ خدمت قبول کر تو ہی دعا کا سننے والا ہے نیتوں کا جاننے والا ہے۔ خداوند ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، ہم سے درگذر کر تو ہی بڑا درگذر کرنے والا اور مہربان ہے۔ خداوندا انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما۔ چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا اور دعا میں حضرت اسماعیلؑ کی بھی شرکت تھی اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسل اسماعیلؑ سے ہوگا اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی

موجودہ تورات کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں۔

اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل (خدا نے دعا سنی) رکھا (پیدائش ۱۶-۱۵) جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابراہیم کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا۔ تب ابرام منہ کے بل گرا اور خدا اس سے ہم کلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں ہوں۔ تیرا عہد میرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہام ہوگا۔ کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت پھل دوں گا اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو اور میں ان کا خدا ہوں گا۔ (پیدائش ۱۷ تا ۱۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسمٰعیلؑ کے لئے ہے اسحاق کے لئے نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیل زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحاقؑ کے ساتھ پورا ہوگا۔ فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ (پیدائش ۱۷-۱۸)

خدا نے جواب دیا۔

اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بارآور کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (پیدائش ۱۷-۲۰)

حضرت ہاجرہ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتے نے آواز دی۔

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے حضرت عیسیٰؑ نے آنحضرت ﷺ کی جو بشارت دی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔

﴿ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ [صف]

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر آیا ہوں اور مجھ سے پہلے جو توراۃ آئی تھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے۔

اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا ’’فارقلیط‘‘ بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے [۱۴-۱۶]

آگے چل کر پھر ہے۔

لیکن وہ ’’فارقلیط‘‘ جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو کچھ میں نے کہا ہے تمہیں یاد دلائے گا [۱۴-۲۶]

اسی انجیل کے باب ۱۵-۲۶ میں ہے۔

پر جب وہ ’’فارقلیط‘‘ جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔

اسی انجیل کے باب ۱۶-۷ میں ہے۔

’’لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو ’’فارقلیط‘‘ تمہارے پاس نہ آئے گا۔ پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔ وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی اور تمہیں دکھائے گی۔

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت دی ہے اس کو لفظ ’’فارقلیط‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے جس کے لفظی معنی ٹھیک محمد اور احمد کے ہیں۔ یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ ’’پریکلیوطاس‘‘ کیا گیا تھا جو بعینہ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے اس تغیر سے ’’پریکلیطوس‘‘ کی بجائے ’’پریکلیطاس‘‘ کر دیا گیا جس کا ترجمہ اب عام طور سے ’’تسلی دہندہ‘‘ کیا جاتا ہے عیسائی اور مسلمان علماء کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علماء کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ ’’پریکلیطاس‘‘ ہے۔ سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نکلے تھے ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی یونانی نہ تھی اس لئے جو لفظ ان کی زبان سے نکلا ہوگا وہ عبرانی یا سریانی ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہوگا جو احمد یا محمد کا مترادف ہے جیسے کہ

اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے۔[1]

گزشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ توراۃ و انجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً آشنا تھے بایں ہمہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنوائی ہیں وہ حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں۔

لیکن وہ فارقلیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا...... اور سب باتیں جو میں نے تم سے کی ہیں تمہیں یاد دلائے گا (یوحنا ۱۴۔۲۶)

وہ فارقلیط (احمد)..... جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے آئے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا (یوحنا ۱۵۔۲۶)

اور وہ فارقلیط آن کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے...... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی میری بزرگی کرے گی۔ (یوحنا ۱۶۔۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں۔

۱۔ مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے اس لئے وہ پیغمبر آ کر اس کو یاد دلائے گا۔

۲۔ وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائے گا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔

۳۔ مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا۔

۴۔ اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے اس کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسیحؑ کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے۔ توحید کی جگہ تثلیث تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے تعلیمات صادقہ میں ابنیت الوہیت مسیحؑ، مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کی بھلائی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تردید کی اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت اور ان کی حیات و موت کے مسئلے کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا یہ خصوصیت بھی خاتم النبیین ﷺ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آ سکتی مسیح کے اس فقرہ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسیح تک دین الٰہی ناتمام ہے اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا۔ یہ پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کی ذات سے پوری ہوئی۔ آپ ﷺ کی ذات سے دین الٰہی تکمیل کو پہنچا اور آپ ﷺ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، آثار قیامت، جنت، دوزخ، سزا، جزا وغیرہ تمام باتوں کو اس تفصیل

---

[1] اظہار الحق، احمدیہ، خطبہ بشارات محمدی منقول از کتاب اوری انجیلس صاحب۔

تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی اسی لئے آپ ﷺ کو خاتم النبیین کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لئے گواہی دے گا۔ یہ نشانی بھی آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آسکی۔ وہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکار کیا اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے ان پر جو غلط اتہامات قائم کئے گئے تھے ان کی پردہ دری کی اور ان کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا۔ ان کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا۔ یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں حضرت مریمؑ پر جو بہتان باندھے تھے ان کی علی رؤس الاشہاد تردید کر دی اور نصاریٰ نے ان کی ولادت' وفات' ابنیت' الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریح کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سنایا جائے گا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا خاص وصف ہے۔ قرآن نے کہا

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ﴾ (نجم۔۱)

اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہے وہی ہوتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ ﷺ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں، ان کو نہ لکھا کرو۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمرو نے جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ قرآن مجید نے اپنی نسبت بار بار کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ ہدایت ہے، اور اس کا پیغمبر چراغ ہدایت ہے، رہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا) ہے اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور ہستی نہیں جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشگوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشگوئی کو جانتے ہیں۔

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ ﴾ (اعراف۔۱۹)

جو لوگ اس ان پڑھ پیغامبر ساں قاصد کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

انجیل میں گذشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی دو اور بھی پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ انجیل لوقا میں

آنحضرت ﷺ کی شان میں ہے۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (فتح-۱)

ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔

سورۂ احزاب میں یہی اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾ (احزاب-۶)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں وہ بعینہٖ توراۃ میں ہیں۔

﴿عن عبد الله بن عمرو ان هذه الآية التي في القرآن يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا قال في التوراة يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا ومبشرا وحرزا للاميين انت عبدي ورسولي سميتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب بالاسواق ولا يدفع السيئة بالسيئة ولكن يعفو ويصفح ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله فيفتح بها اعينا عميا و آذانا صما و قلوبا غلفا﴾ (بخاری تفسیر سورۂ فتح)

عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، توراۃ میں یوں ہے کہ اے نبی ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا دل و پناہ بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا، وہ تند خو اور سنگ دل نہ ہوگا اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا، وہ برائی کا بدلہ برائی نہ کرے گا بلکہ عفو اور درگزر کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ ٹیڑھے دین کو سیدھا نہ کرے گا کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس وہ اس دین سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔

صحابہؓ کے زمانہ میں کعب ایک مشہور یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ہے اور اس کے بعد انہوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا۔ چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں ان میں اشعیاء نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشین گوئی اب تک موجود ہے اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعب نے اپنی پیشین گوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ اشعیاء نبی کی پیشین گوئی یہ ہے۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ اپنی صدا بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے۔ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے، اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا، جو زمین کو اور انہیں جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں روح بخشتا ہے، یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند نے تجھے صداقت کے لئے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بندھوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔ یہوواہ میں ہوں، یہ میرا نام ہے۔ میں اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا۔ دیکھو تو سابق پیشینگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گذرتے ہو اور تم جو اس میں بستے ہو۔ بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتاسر اس کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا۔ وہ چلائے گا۔ ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا اور آپ کو روکتا رہا۔ پر اب میں اس عورت کی طرح جسے دردزہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھا دوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا۔ میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے جاؤں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کر دوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا۔ وہ پیچھے ہٹیں گے اور نہایت پشیمان ہوں گے جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الہ ہو۔ سنو! اے بہرو اور تاکو! اے اندھو! تاکہ تم دیکھو۔ اندھا کون ہے؟ مگر میرا بندہ اور کون ایسا بہرا ہے جیسا میرا رسول جسے میں بھیجوں گا؟ اندھا کون ہے جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھیں پر تو لحاظ نہیں رکھتا۔ اس کے کان تو کھلے ہیں پر کچھ نہیں سنتا۔ خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔" (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعب کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں۔ پہلا لفظ اس بشارت میں "شاہد" ہے یعنی خدا کی طرف سے وہ قوموں کے درمیان گواہ و شاہد ہوگا۔ "شعیا" میں ہے

۱؎ یہ ترجمہ [illegible]

''وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا۔'' اس کے بعد مبشر کی صفت ہے یعنی وہ نیکوکاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا۔ اشعیاء کے اس پورے باب میں ان آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ بعد ازیں ''حرزاً للامیین'' امیوں کا ماویٰ اور پناہ ہے۔ امی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی۔ چنانچہ اشعیاؑ میں ہے کہ اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا۔ میں انہیں ان رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ ﴿انت عبدی و رسولی﴾ یعنی تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ اشعیاؑ کے شروع میں ہے ''دیکھو میرا بندہ'' اور آخر میں ہے۔ ''میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا۔'' ﴿سمیتک المتوکل﴾ ''میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا۔'' اشعیاؑ میں ہے ''میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔'' ﴿لیس بفظ و لا غلیظ و لا یدفع السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفوا و یصفح﴾ ''وہ سنگ دل اور سخت نہ ہوگا یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا۔'' اشعیاء تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں ''وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائے گا'' ﴿ولا سخاب بالاسواق﴾ ''وہ بازاروں میں نہ چلائے گا'' یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا۔ اشعیاء نے کہا'' وہ نہ چلائے گا اپنی صدا بلند نہ کرے گا اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا'' ﴿و لن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء﴾ ''خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرائے گا۔'' اشعیاؑ میں ہے ''اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا۔'' ﴿فیقولوا لا الہ الا اللہ﴾ ''تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔'' اشعیاء کہتے ہیں ''میں خدا (یہوا) اپنی شوکت دوسرے معبودان باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا...... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو'' ﴿فیفتح اعینا عمیا و آذانا صما و قلوبا غلفا﴾ ''وہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور زیر پردہ دلوں کو کھول دے گا۔'' اشعیاؑ کہتے ہیں ''لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، جو بند ہیں ان کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں قید سے نکالے۔ سنو اے بہرو تاکو اے اندھو۔''

حضرت اشعیاؑ کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہے۔ حضرت اشعیاؑ نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشگوئی کی ہے وہ یقیناً حضرت عیسیٰؑ نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے بندہ اور رسول کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا علاوہ ازیں اس پیشگوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا۔ قیدار بن اسمٰعیل کا مشہور خاندان قریش تھا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے۔ اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے، باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

''کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے

شہرت نہیں یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کا وصف ہے جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ ﷺ کے نام سے ملقب ہیں یہاں تک کہ بعض جملوں میں بھی ''رسول'' یعنی پیغمبر خصوصیت آپ ﷺ کا نام ہے۔ قرآن نے بکثرت کہا۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (فتح)

محمد خدا کا رسول ہے۔

﴿يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (منافقون)

خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ (توبہ)

تمہارے پاس تمہاری قوم کا رسول آیا۔

﴿فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (حجرات)

تم میں خدا کا رسول ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (احزاب)

تمہارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ (مائدہ)

اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔

ان مقامات کے علاوہ اور سینکڑوں جگہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے جو بشارت دی ہے وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت اشعیاؑ نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ مصطفیٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔[1]

﴿إن الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى بني هاشم من قريش واصطفاني من بني هاشم﴾

بے شک خدا نے اولاد اسمٰعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں مجھ کو برگزیدہ کیا۔

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا۔ یہ صفت نہ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے بلکہ آپ ﷺ کے وسیلے سے تمام پیروان محمدی میں عام ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ ... يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾

محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں ... وہ خدا کی مہربانی اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں۔

---

1. صحیح مسلم فضل نبی ﷺ

جب خدا کی نصرت اور فتح آ چکی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے دیکھ لیا تو تیرا فرض انجام پا چکا اور اب دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آ گئے تو اب خدا کے حمد و استغفار میں مصروف ہو کہ وہ رجوع کرنے والا ہے۔

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ خدا نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی۔[1]

اس کے بعد شعیاؑ کہتے ہیں کہ "تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں گے" یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت عمان اور جیحون اور جابجا فرات سے ہو کر بحر روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے بعد ازیں شعیاؑ اللہ کا وعدہ سناتے ہیں کہ "میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا" یہ وعدہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ پورا ہوا۔ آپ ﷺ نے جس وقت دعوت توحید کی اس وقت اشاعت کی جب ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دستگیر نہ تھا۔ اس نے دشمنوں کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آپ ﷺ کی ذات گرامی کو محفوظ رکھا اور شعیاؑ کے وعدہ کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں بھی اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا۔ یہ بشارت دی:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ (اسراء)

اور یاد کرو اے محمد جب ہم نے تم سے فرما دیا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (طور)

اور اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

مدینہ میں آ کر یہ وعدہ مکرر دہرایا گیا۔

﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (مائدہ)

اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

صحابہ جاں نثاری سے آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا "لوگو واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے" اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات شعیاؑ میں اس کے بعد ہے "میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے" تمام دنیا گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ پیغمبر اسلام کے ذریعہ سے کس خوبی سے پورا ہوا۔ قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو اس

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نصر۔

وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر انہی میں سے کھڑا کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ، اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ، اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ (انعام۔ ۲۰)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو برکت والی ہے تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تاکہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم ان کے پڑھنے سے غافل تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لو تمہارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل، ہدایت اور رحمت آگئی۔

﴿وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ﴾ (سبا۔ ۱)

اور ہم نے ان کو نہ کتابیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے غور کرے گا اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبوی کے ساتھ حرف حرف تطبیق پر غور کرے گا وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (حدید۔ ۱)

وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے تورات اور انجیل کی ایک پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ (فتح۔ ۴)

محمد خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں، تو دیکھے گا ان کو (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدے میں کرتے دیکھے ہیں، وہ خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں رہتے ہیں۔ ان کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے علامت ہے، ان کی حالت کا یہ بیان تورات میں ہے۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انعام، خانۂ خلیل کی کامل آزادی اور معبودان باطل کی دائمی شکست کا وقت ہے اور جس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کی آخری وصیت جس پر ان کی تورات اور ان کے پیغمبرانہ حیات دونوں کا خاتمہ ہوتا ہے بنی اسرائیل کو یہ فرمائی۔

"یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے پر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ ظاہر ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کے مانند ہے اور وہ روپیہ کا تپانے والا اور اسے صاف کرنے والا ہو کے بیٹھے گا (ملاکی باب ۳۔۱)

آج کل کے ترجموں میں "ختنہ کے رسول" کے بجائے "عہد کا رسول" لکھا ہے۔ یہ ترجمہ بھی ہو تو اس سے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا اس سے متعلق یہ بشارت ہے لیکن اصل یہ ہے کہ تورات کی زبان میں "ختنہ" نسل ابراہیمؑ کے جسم پر اللہ اور بندے کے باہمی عہد و میثاق کی مہر کا نام ہے۔ تورات میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے۔

"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے" (پیدائش ۱۷۔۱۰)

اس بنا پر ختنہ کے بجائے مترجمین نے عہد کا لفظ رکھ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے قرب مولد کے زمانہ میں اس پیشگوئی کے مطابق اس رسول الختان کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم اسی پیشگوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ کے حق میں نہیں کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا۔ رسول الختان کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہوگا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسل ابراہیمؑ کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔ تورات میں ایک اور بشارت ہے۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ (استثنا ۳۳۔۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔ (۳۔۳)

صحیفہ استثناء کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے۔ کوہ سینا، کوہ شعیر اور کوہ فاران۔ یہ درحقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں۔ ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰ، کوہ شعیر سے حضرت عیسیٰ اور کوہ فاران سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ حضرت حبقوق اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا۔ تیمان کے عربی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں۔ پھر کہتے ہیں اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ یہ معراج آسمانی کی تصریح ہے۔ پھر کہتے ہیں اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔ زمین کا کون سا گوشہ ہے جو محمد ﷺ کی حمد سے معمور نہیں۔ نغمۂ محمد کا ورد اور عبادت اسلامی کا آغاز (الحمد) ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی حمد سے لبریز ہے۔

تورات کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا۔

﴿ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝ وَطُورِ سِينِينَ ۝ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴾ (تین)

قسم ہے انجیر اور زیتون کی طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کا مولد اور کوہ سعیر کا مبدا ہے۔ طور سینا حضرت موسیٰؑ سے عبارت ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔

علمائے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں۔ کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشینگوئیاں عرب کے کاہنوں اور بت خانوں کے پجاریوں سے منقول ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے اس لئے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا۔ روم و فارس کی دو سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے۔ اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ اور انجیل کی بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے دربار میں پہنچا ہے اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے، آنحضرت ﷺ کے متعلق چند استفسارات کئے ہیں اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا "تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضہ میں ہوگی۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں خود جا کر اس کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔" [1]

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی۔ مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی خط لے کر گیا تھا وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا۔ حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے پیغمبر ہیں۔ [2]

یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں۔ لیکن وفد کے سمجھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے [3] اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا۔ اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگرداں رہے۔ وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے۔ یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی

---

[1] صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی۔

[2] سیرت نبوی جلد اول۔

[3] سیرت نبوی جلد دوم۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ﴾ (بقرہ-۱۷)

جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے وہ یقیناً ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (بقرہ-۱۷)

جب کہ ہم پہلے جنہیں کتاب دے چکے ہیں اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے۔

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ﴾ (انعام-۲)

جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اس کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔

یہ انہی بشارتوں اور پیشگوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراۃ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کی تشفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام پر تقریر کی اور سورہ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ [1]

کفار عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔

﴿ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ (احقاف-۱)

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم مغرور بنے رہے تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا۔

﴿ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ (شعراء-۱۱)

کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۲۔

# خصائص محمدی

خصائص وہ امور ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں۔ آنحضرت ﷺ کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں جو اوروں کو نہیں دی گئی تھیں۔ یہ خصائص محمدی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو صرف آپ ﷺ کے لئے تھے اور آپ ﷺ کی امت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے۔ دوسرے وہ جو صرف آپ ﷺ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے۔ غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں تھیں۔ ہم نے پہلے کا نام خصائص ذاتی اور دوسرے کا خصائص نبوی رکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خصائص نبوی کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ مثلاً حافظ ابو سعید نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں آپ ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے۔ حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ ضعیف بلکہ موضوع اور ضعیف روایتیں ہیں۔ بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں جو گو عام افراد امت کے لئے نہیں لیکن امراء اور خلفاء نے اسلامی مصالح سے ان کو جائز رکھا ہے۔

محدثین نے خصائص ذاتی کو یہ اہمیت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنایا ہے کہ حدیث قولی اور فعلی میں اگر تصادم ہو تو حدیث قولی کو حدیث فعلی پر ترجیح ہوگی۔ یعنی اگر ایک امر آنحضرت ﷺ کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا امر آپ ﷺ کے فعل سے ظاہر ہوتا ہے تو عام امت کو آپ ﷺ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپ ﷺ کے قول کی تعمیل کرنی چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص اور آپ کے خصائص ذاتی میں ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال بن کر آتے ہیں۔ خصوصاً حضرت مقتدائے اعظم ﷺ کہ ان کے متعلق فرمان الٰہی نے اعلان کر دیا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [احزاب]

"اور تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے۔"

تو جب آپ ﷺ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپ ﷺ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو زندگی کی ہر حالت میں آپ ﷺ کا ہر عمل ہمارے لئے قابل تقلید و لائق پیروی ہے۔ بے شک بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوں لیکن ضرورت ہے کہ رفع التباس اور دفع شک کے لئے ان تمام مخصوص امور کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصات نبوی ہیں اور یہ عام امت کے لئے نہیں ہیں۔ اسی بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جس قدر خصائص ذاتی تھے شریعت نے ان کو بصراحت واضح کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصات نبوی میں ہیں ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی ہے اور اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے جو خصائص ذاتی ہیں وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب و سنت نے ان کا مخصوص ہونا عام طور پر ظاہر کر دیا ہے۔

# خصائص ذاتی

## نبوت اور لوازم نبوت:

سب سے پہلی چیز جو آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افراد امت کو نہیں ملا وہ نبوت اور اس کے لوازم وحی، تشریح اخبار الٰہی، نزول جبریل، تشریع احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے سوا نہ تو کسی فرد امت پر کوئی وحی آئی اور نہ آ سکتی ہے نہ کسی کو کوئی نئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے نہ اللہ تعالیٰ سے بن کر وہ خبر دے سکتا ہے، نہ اس کے پاس قاصد الٰہی آ سکتا ہے، نہ وہ احکام شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ۔ صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افراد امت کے لئے باقی ہیں اور وہ رویائے صادقہ اور کشف والہام ہیں۔

## امور متعلقہ نکاح:

مسئلہ نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لئے چند امور مخصوص کر دیے گئے ہیں جن کی رخصت عام امت کے لئے نہیں۔

۱۔ عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ ﷺ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ ﷺ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے گو ایسا واقعہ نہیں ہوا لیکن افراد امت کے لئے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دو رخصتیں تھیں لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ ﷺ پر کچھ قیدیں بھی تھیں جو عام افراد امت پر نہیں۔

۳۔ آپ ﷺ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا بغیر مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ عام مسلمانوں پر یہ قید نہ تھی۔

۴۔ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنھوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں مگر آپ ﷺ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

۵۔ جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں ان میں سے اب کسی کو نہ آپ ﷺ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ ﷺ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

۶۔ آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ اور ام سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشنے کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ ﷺ رد و بدل بھی کر سکتے تھے۔

۷۔ آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی

تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے ایک نماز سنت کے ترک ہونے کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کوشش کرتے رہے۔

## صوم وصال:

یعنی کئی کئی دن کا متصل افطار کئے بغیر روزہ رکھنا عام امت کے لئے ممنوع ہے لیکن آنحضرت ﷺ کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے اور بیچ میں افطار کے وقت بھی کھاتے پیتے نہ تھے۔ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا "تم میں کون میری طرح ہے؟ مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور پلاتا ہے۔"[1]

## صدقہ و زکوۃ کھانے کی حرمت:

آنحضرت ﷺ اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے۔ عام مسلمان غربت اور تنگدستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے مگر آپ ﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس مد پر ہمیشہ حرام کر دی اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی مصرف میں لانا گوارا نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ امام حسینؓ نے لڑکپن کے اقتضاء سے صدقہ کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے تو آپ ﷺ اگلوا دیتے تھے[2] اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے اس لئے اہل بیت نبوت کے لائق نہیں۔ چنانچہ سادات کے لئے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرے تو آپ ﷺ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟ اگر تحفہ ہوتا تو قبول فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے۔[3] اس طرح آنحضرت ﷺ نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ و خیرات کی اس تاکید کا مقصود (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا۔[4]

❁ ❁ ❁

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام۔
[2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الزکوۃ۔
[3] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ۔
[4] صحیح بخاری باب قبول الہدیہ۔

# خصائص نبوی

دیگر انبیاء کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں تمام بتمام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی۔ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا۔ مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا۔[1] صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں۔ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔ رعب و داب سے نصرت دی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔[2]

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے۔ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں۔ میری نبوت اولین ہے۔ مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔ فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں۔ مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں۔ سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے۔ بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں۔ یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت۔ بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

## رعب و نصرت:

آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے۔ یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا۔ پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی۔ دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں۔ حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، مگر ان میں سے کسی کو بھی تمام تر ملی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے۔ آنحضرت ﷺ کا آغاز گو ایوبی بیچارگی اور مسکی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت، داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمام تر قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی۔ اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا۔ بھولوں نے یاد کیا۔ سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ ﷺ جس راستہ سے نکل جاتے گنہگار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

---

1. صحیح بخاری کتاب التیمم و باب جعلت لی الارض کلہا مسجدا و کتاب التیمم و صحیح مسلم باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب التیمم۔
2. صحیح مسلم باب المساجد و ترمذی کتاب السیر و نسائی۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو نصرت رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینے کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی دھاک اور رعب و ہیبت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا تا کہ عرب خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

﴿ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ﴾ (انفال)

میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی۔

﴿ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ (احزاب ۳)

اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زرہیں پہن کر اور تلواریں بجا بجا کر آتے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑتی کانپ کر رہ گئے۔ بڑے بڑے سرکش قبائل آپ ﷺ کا نام سن کر رام ہو جاتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس کے یہودی بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرماں روائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا، جب انھوں نے سرتابی کی سے لڑے بھڑے آپ ﷺ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی۔ خیبر کے قلعہ نشین یہودی جو سب سے زیادہ مغرور تھے جب ایک صبح کو اپنے قلعوں کے سامنے دفعۃً لشکر اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ "محمد کا لشکر"۔ ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگاتا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباس ؓ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر ہر دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ جاتا تھا۔

بایں ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا؟ جو آشنا ہو جاتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا۔ بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے اور آشنا گرویدہ تھے کہ

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ﴾

محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں مہربان ہیں۔

ایک بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی کانپ گیا۔ فرمایا ڈرو نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔[2] حضرت مخرمہ صحابی ؓ نے اپنے

---

1 صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد۔

2 شمائل ترمذی۔

کو ساتھ لے کر پھرتے ہیں۔ کبھی خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ کبھی سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے معجزے دکھانے سے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند دیہاتی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ مرشد کا ہاتھ دے، اپنی قوم کو دشمنوں کے پنجے میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ نے تن تنہا بے یار و مددگار تشنگانِ حق کو صدائے توحید دی۔ جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی۔ لیکن ۲۳ برس نہ گذرنے پائے تھے کہ سرزمین عرب کا ذرہ ذرہ لا الہ الا اللہ سے پرشور ہو گیا اور جب آپ ﷺ نے زندگی کی سرزمین کے لئے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جان نثار وفاشعار ساتھ لبیک کہہ رہے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا۔ [1]

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) تمام قومیں پیش کی گئیں۔ بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے۔ بعض تنہا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اسی اثنا میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی۔ خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو! تو دیکھا کہ اتنا بڑا مجمع نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا۔ پھر کہا گیا اسی طرح ادھر دیکھو۔ بڑی تعداد دکھائی دی۔ کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے۔ [2]

## دعوتِ عام:

محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرووں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے، وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے۔ ان کی دعوت عام نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر نسل کی طرف ہوئی۔ کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی سب آپ ﷺ میں برابر کے حقدار ہیں۔ قرآن نے کہا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (سبا)

اے محمد! ہم نے تم کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (فرقان)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان۔

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ... ۔

لئے بھیجا گیا ہوں۔[1] اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں۔ اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبران کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے سب دعوتوں کو اس کی زندگی میں خود اس کے قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے۔ لیکن آپ ﷺ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے۔ سلاطین عالم کے نام آپ ﷺ کا دعوت نامہ بھی اس کی دعوت کی عالمگیری کی دلیل ہے۔

## جوامع الکلم:

دنیا میں آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں مگر ان میں ایک کے سوا صفت جامعیت سے سب محروم ہیں۔ توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے۔ عقیدہ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور بجز قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے تقریباً خالی ہیں۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوب میں صرف عقیدہ تقدیر و رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں۔ دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ و ندامت، پیشگوئی اور ماتم ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسیحؑ کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاق کا مجموعہ ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کا جامع ہے۔ وہ توراۃ بھی ہے، زبور بھی اور انجیل بھی اور ان سے زیادہ بھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے ہیں۔[2] حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا مجھے توراۃ کی جگہ سبع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات مجھ کو زیادہ ملیں۔ ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ مئین انجیل کی جگہ ملا۔ حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ برآں ملیں۔[3]

اس لئے قرآن مجید توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا بہت کچھ اور بھی ہے۔ وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواعظ بھی ہے، دعا و مناجات بھی ہے۔ اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام اہم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں۔ اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں۔ صرف توراۃ کے اسفار خمسہ یہودی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں۔ صرف انجیل عیسائیوں کی

1. بخاری [illegible]
2. [illegible]
3. [illegible]
4. [illegible]
5. [illegible]

تعبیر یوسفؑ، مناقب موسیٰؑ، مسیحؑ کا کھولا ہوا ہے۔ لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا۔ بنا بریں اس کے لئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی۔ لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے[1] یہ خیال مبارک اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے اسی لئے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (حجر) "اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

## ختم نبوت

یہ حصر نصرت، یہ پیرووں کی کثرت، یہ تجدید کی عدم ضرورت، یہ دوام و بقا، یہ جوامع الکلمی، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیات تکمیل خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے کے وجود سے مستغنی ہو گئی۔ اسی لئے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (مائدہ)

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آیت حجۃ الوداع[2] میں نازل ہوئی جو اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا وہ اب تکمیل کو پہنچ گئی۔ لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (احزاب)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ یہیں سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے۔ اور چونکہ یہ عمل سب سے آخر میں کیا جاتا ہے اس لئے اس کے معنی انجام اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ تمام معنی مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ﴾ (یٰسین)

آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے (یعنی بند کر دیں گے کہ بول نہ سکیں)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام، صحیح مسلم کتاب الایمان۔

[2] اکمال دین کی مفصل بحث آگے اپنے مقام پر آئے گی۔

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے کے" بالکل ظاہر ہیں۔

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ (بقرہ)

خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیے)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں

﴿ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ ﴾ (جاثیہ)

اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیے)

کہ اس کے کان کے اندر حق و رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

﴿ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴾ (مطففین)

اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔

دوسر بمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگا کہ یہ خالص شراب ہے۔ یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہو گئی ہو۔ اسی کے بعد یہ آیت ہے

﴿ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ﴾ (مطففین)

اس کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہوگا۔

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ نفاست صفائی اور تراہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی لاکھ یا موم کے بجائے مشک خالص سے بند ہوگا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے اصول اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں۔ لفظ خاتم کی دو قرأتیں ہیں۔ مشہور قرأت خاتِم (بکسر تا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے اور دوسری قرأت[1] خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعے سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تا کہ وہ کھول نہ سکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آگے کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمت نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں۔ اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ ﷺ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہئے اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہئے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے۔ مسند احمد میں حضرت ثوبان[2] اور

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ صفحہ ۱۱ مطبوعہ بولاق تفسیر آیت مذکور۔

[2] جلد ۵ صفحہ ۲۷۸۔

نبی بعدہ نبی ﴾ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[1] جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے۔ لا نبی بعدی یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[2]

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا رویائے صالحہ[3] یعنی سچے خواب اوپر گزر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر رکھے ہیں منجملہ ان کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء مومن کا رویائے[4] صالحہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے قوموں میں محدثین (بات کئے گئے) ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں[5] آئمہ حدیث نے محدث کے معنی ملہم کے لکھے ہیں۔

غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں۔ رویائے صالحہ اور الہام۔ لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے اس لئے کسی مومن کے رویائے صادقہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ ان رویائے صالحہ اور الہامات صادقہ کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں۔ یعنی امر غیب اور مستقبل سے کچھ اطلاعات اور مناظر۔

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرامؓ صف بستہ پیچھے۔ اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا۔

﴿ یا ایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او تری له ﴾ (جلد اول ص ۲۱۹)

اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (یعنی ذرائع علم و خبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔

اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالحہ بھی دلائل و مناظر سے متعلق ہے۔ اسی کتاب میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

---

١ مناقب عمرؓ [illegible] جامع ترمذی۔

٢ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب اسماء النبی ﷺ صحیح بخاری میں یہ فقرہ نہیں [illegible] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ [illegible] میں یہ [illegible]

آپ نے [illegible] بعد کوئی نبی نہ ہو [illegible] ہے۔

٣ صحیح بخاری فتح الباری جلد [illegible] صفحہ [illegible]

٤ صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

٥ صحیح بخاری کتاب [illegible] [illegible] مسند ابن حنبل جلد [illegible] صفحہ [illegible]

معبودوں کو نہیں دیکھتے؟ حضرت موسیٰ ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے۔ وہ بھی کہیں گے یہ میرا رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی! تم محمد کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور کہے گی اے محمد! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے۔ اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے۔ آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے۔ آپ ﷺ دیر تک سربسجود رہیں گے۔ پھر آواز آئے گی۔ اے محمد! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے ﴿الٰہی امتی امتی﴾ خداوندا! میری امت، میری امت۔ حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمد! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے ﴿الٰہی امتی امتی﴾ حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ بخشا گیا۔ حضور ﷺ جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گذار ہوں گے۔ حمد و ثنا کریں گے اور سربسجود ہوں گے۔ آواز آئے گی جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گذارش کریں گے اور حمد و ثنا کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر ندا آئے گی۔ اے محمد! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول ہوگی' عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا من قال لا الٰہ الا اللہ[1]

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ کے سوا کس نے سنایا۔

## فضائل اُخروی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ خصائص تھے جو آپ کو پیغمبر' مبلغ دین' صاحب مذہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے۔ علاوہ بریں آپ ﷺ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاعت کا پیش کار ہوں گا اور اس پر

---

1. صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

فخر نہیں۔[1] پھر فرمایا ہے میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور قیامت کے دن آدم وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر نکلوں گا۔[2] نیز ارشاد ہے جب لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا۔[3]

﴿ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ ﴾

تمت الجزء الثالث من السیرة النبویة

علی صاحبها الصلوة و التحیة

یکم جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

سید سلیمان ندوی

---

1. [illegible]
2. [illegible]
3. [illegible]
4. [illegible]